دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
الحق
ماہنامہ
زیر سرپرستی
شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق بانیؒ و مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور
مغربی پاکستان

لہٗ دعوۃ الحق

فون نمبر دارالعلوم ۔ ۴ قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار فون نمبر رسالہ ۔ ۲

# ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد : ۶
شمارہ : ۱۱

جمادی الثانی ۔ ۱۳۹۱ھ
اگست ۔ ۱۹۷۱ء

مدیر ——— سمیع الحق

اس شمارے میں



———★———

**بدل اشتراک**
مغربی اور مشرقی پاکستان سے سالانہ ۸/ روپے ۔ فی پرچہ ۷۰ پیسے
غیر ممالک بحری ڈاک ایک پونڈ ، غیر ممالک ہوائی ڈاک دو پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ طابع و ناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

(پرنٹر محمد شریف)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؒ

# نقشِ آغاز

برِصغیر پاک وہند کی ممتاز دینی اور روحانی شخصیت عارف باللہ جامع شریعت و طریقت حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ کے وصال کو نو دس سال گذر چکے ہیں مگر یہ بحث اب بھی زور شور سے از سرِ نو اٹھائی جا رہی ہے کہ حضرتؒ کی تدفین شریعتِ اسلامیہ کے مطابق ہوئی یا نہیں۔؟ فتوؤں کا بازار گرم ہے، طرفین دادِ تحقیق دے رہے ہیں، ضمیمے اور کتابچے نکل رہے ہیں ــــ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کسی قوم کی بدنصیبی اور انتہائی انحطاط کی دلیل اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ عین اسوقت جب کہ علمی اور عملی فتنے طوفان کی طرح چھا چکے ہوں، ضعف و ادبار پوری امت کو گھیرے ہوئے ہو، اس امت کے خواص داعیان اور اکابر علم و فکر پوری قوتوں کے ساتھ ایسے لایعنی مباحث اور دُور از کار قیل و قال اور بحث و جدال میں مصروف ہو جائیں، جن پر نہ دین کا کوئی مدار ہو نہ کوئی دنیاوی نفع۔ کلیسا پر جب خدا کی تلوار پوری طرح مسلط ہو چکی تھی تو کلیسائیت کے علمبردار آپس میں اس مسئلہ پر برسرِپیکار تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے (بزعم انکے) سولی پر چڑھنے سے پہلے کونسی غذا کھائی تھی ــــ ہزاروں افراد اس اختلاف میں تہ تیغ ہوئے ــــ یہی حالت مسلمانوں کی اسوقت تھی جب فتنۂ تاتار پورے عالمِ اسلام کو للکار رہا تھا۔ اور ہلاکو کی فوجیں دارالخلافت بغداد کے دروازوں پر دستک دے رہی تھیں۔ ادھر بغداد کے گلی کوچوں میں مناظروں کا بازار گرم تھا، غیر ضروری مسائل پر علم و فکر کی ساری توانائی صرف ہو رہی تھی۔ دشمن کی بجائے فروعی مسائل نشانۂ تحقیق بنے ہوئے تھے۔

موجودہ پر آشوب دور نگاہوں میں رکھئے پھر اس میں دین اور اہلِ دین کے خلاف اہلِ فتن والحاد کی متحدہ فتنہ سامانیاں دیکھئے، فکرِ آخرت سے آزادی مغربیت اور اباحیت میں انہماک علمی اور دینی فتنوں کی یلغار، مادہ پرستی کا ہنگامہ نئے نئے علمی اور فکری مسائل کا چیلنج اور اس کے مقابلہ میں دین اور اہلِ دین کی غربت اور تشتت و انتشار کا سوچئے۔ پھر عصرِ حاضر کے تقاضوں کے سامنے اہلِ دین کی مسئولیت اور ذمہ داریوں کی نزاکت پر بھی ایک نگاہ ڈالئے اور مذکورۃ الصدر لاطائل مسئلہ پر اتنا

شور و ہنگامہ ــــ؟ بجا طور پر حیرت، تعجب اور افسوس و حسرت کی ملی جلی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ زمانہ قیامت کی چال چل رہا ہے، حالات ہمیں جھنجھوڑ رہے ہیں، دین اور اصولِ دین کے خلاف خفیہ کمین گاہوں میں کونسا اسلحہ ہے جو جمع نہیں کیا جا رہا ــــ؟ ملک کے دینی اور سیاسی مستقبل کے فیصلے ہو رہے ہیں، ایسے حالات میں ہماری توجہ اور اہتمام کا مستحق الاھم فالاھم کی بناء پر کون سے مسائل ہونے چاہیئے تھے۔؟ اور ہماری مصروفیات کا محور کیا ہونا چاہیئے تھا۔؟ ہمیں اپنی انفرادی اور اجتماعی قوت فکری صلاحیت اور علمی استعداد کن امور میں لگانی ہے ــــ؟ یہ باتیں تمام علماء امت اعیان ملّت اور اصحاب دعوت وعزیمت کیلئے دعوت فکر دے رہی ہیں ــــ۔

★

ظاہری طور پر یہ ناخوشگوار تاثر اور تلخ احساس ہر درد مند مسلمان کا ہو سکتا ہے جو ایک ایسے مسئلہ پر علماء و مشاہیر ملت کو باہمی بحث و جدال میں مصروف دیکھتے ہیں جس پر نہ تو دین کے کسی بنیادی مسئلہ کا مدار ہے نہ اس سے مسلمانوں کا کوئی اجتماعی مفاد وابستہ ہے۔ اور نہ وہ ہماری کسی ترقی و خوشحالی کا ذریعہ بن سکتا ہے، اور نہ اسے موجودہ حالات اور زمانہ سے کوئی مناسبت یا مطابقت ہے بلکہ الٹا ہماری علمی کم نگاہی، دینی بے بصیرتی اور اجتماعی بدقسمتی کی دلیل بنائی جا سکتی ہے۔ یہ بدنصیبی نہیں تو کیا ہے کہ اس نے پورے برصغیر کے ایک برگزیدہ مثالی علمی و دینی طبقہ اور اکابر علماء کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ پھر دونوں فریق میں اصولی طور سے وجہ نزاع بھی کوئی بات نہیں جو لوگ حضرتؒ کے مزار کو موجودہ شکل میں قائم رکھنا چاہتے ہیں، انہیں بھی اعتراف ہے کہ تدفین مسنون اور متوارث صورت میں نہیں ہوئی مگر بوجوہ و اعذار ہوئی اس لئے متحقق ہو چکی ہے۔ جن حضرات کو قبر پر اعتراض ہے وہ بھی نبش (قبر کھولنے) اور اُسے دوسری جگہ منتقل کرنے کو جائز نہیں کہہ سکتے۔ پھر اس مسئلہ کو ایک دوسرے کی نیات اور عزائم پر بدگمانی اور باہمی اختلاف و افتراق کا ذریعہ بنانا، سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے۔

★
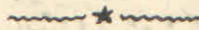
الحق ایسے مباحث اور نازک موضوع پر بحث کا نہ تو روادار ہے نہ راقم الحروف کی علمی بساط اور بے بضاعتی اسکی اجازت دیتی ہے، مگر طرفین کے اکابر اور ایک بہت بڑی تعداد کے اصرار پر بادلِ ناخواستہ اس موضوع پر قلم اٹھایا گیا ہے۔ ورنہ صحیح بات یہ ہے کہ ایسے نادرۂ روزگار

اور سرمایۂ افتخار بزرگ رح کی مرقد مبارک کو اتنے عرصہ بعد زیر بحث بنا رکھنے پر بھی جبینِ غیرت پسینہ پسینہ ہو رہی ہے۔ مجھے حضرت رح کے اجلّہ خلفاء اور متوسلین کی اس جرأت پر حیرت ہے کہ وہ ایک ایسے بزرگ کی قبر اور برزخی زندگی کو اس حد تک بحث و جدال کا ذریعہ بنا رہے ہیں جنکی مجموعی زندگی پر حیاء اور اخفاء کی شان غالب تھی۔ کیا ہم اپنے خاندان کے کسی بزرگ کی قبر کھودنے اور دوبارہ نکالنے نہ نکالنے کے موضوع کو بے حرمتی اور احساس عظمت سے عاری ہونے کا سبب سمجھ کر اس پر ناگواری ظاہر کریں گے یا نہیں۔؟

حضرت رح جن کی زندگی کا ہر لمحہ اللہ اور ہر لحظہ خلقِ خدا کی ہدایت میں صرف ہوا۔ ۱۶ راگست ۱۹۶۲ء کو لاہور میں واصل بحق ہوئے جب کہ آپ اپنے وطن اقامت رائے پور (بھارت) اور وطنِ اصلی (ڈھڈیاں ضلع سرگودھا) سے دور تھے، تدفین کے بارہ میں تین تجاویز تھیں۔ ۱۔ یا تو شریعت کی روح اور مزاج کے مطابق وہیں لاہور ہی میں دفن ہوں۔ ۲۔ دوسری رائے حضرت رح کی خواہش (مگر اس کے ساتھ بارہا یہ وصیت بھی تھی کہ جہاں وصال ہو وہاں دفن کیا جائے) کے مطابق رائے پور لے جاکر اپنے شیخ کے قدموں میں دفنانے کی تھی۔ ۳۔ تیسری رائے حضرت رح کے شرعی ورثاء (اولیاء) کی تھی کہ آبائی گاؤں ڈھڈیاں میں تدفین عمل میں آئے ــــ پہلی رائے پر عمل نہ ہو سکنے کا وبال بعد میں پوری جماعت کی فکری پریشانی اور انتشار کی شکل میں ظاہر ہوا اور فیصلہ تیسری رائے پر ہو گیا۔ ڈھڈیاں کی زمین نمناک تھی، مسجد کے قریب خطہ جسے مٹی سے پاٹ کر سطح مسجد کے برابر کرانا طے ہو چکا تھا اس میں بجائے زمین کھودنے کے شق کی شکل میں دیواریں چن لی گئیں اور تابوت مبارک رکھ کر چاروں طرف سے زمین کو مٹی سے سطح مسجد کے برابر پاٹ دیا گیا اور تابوت معہ شق بالائی سطح سے دو تین فٹ نیچے ہو گیا، اور اوپر قبر کا کوہان نما نشان بنایا گیا۔ اس طرح قبر جو وجہ الارض پر تھی بناء سمیت بطن الارض ہو گئی۔

اس کے بعد پریس اور علمی و دینی حلقوں میں یہ بحث چھڑ گئی کہ تدفین مسنون طریقہ (قبر کھود کر دفن کرنے) سے نہیں ہوئی اس لئے دوبارہ نبش (قبر کھولنا) اور دفن ہونا چاہیئے۔ مسئلہ نے شدت اختیار کی تو بعض حضرات کے استفسار پر برصغیر کے ان تمام اجلّہ علم اور اصحاب تحقیق و تعوّل حضرات نے متفقہ فتویٰ دیا کہ موجودہ شکل گو متوارث اور مسنون طریقۂ دفن کے خلاف ہوا مگر اب تدفین متحقق ہو چکی ہے۔ اس لئے قبر کھول کر میّت کی دوبارہ تدفین یا کسی دوسری جگہ (دوسرا فریق اب بھی چاہتا ہے کہ ایک دفعہ کھول کر اسے رائے پور ہی لے جایا جائے ورنہ اسی جگہ

دوسرے مقام پر تدفین کی کوئی تجویز بھی ان کی طرف سے سامنے آئی ہوتی) منتقل کرنا حرام ہے۔ اس فتویٰ پر برّصغیر کے ان اکثر مشاہیر محدثین، فقہا اور علماء کے دستخط ہیں جن کا علمی تبحر اور للّٰہیت ضرب المثل ہے۔ اور انہیں دیکھ کر یوں لگتا تھا کہ گویا وقت کا یہ متنازعہ مسئلہ اجماع کے طور پر طے کر لیا گیا ہے اور اب اس اجماع کا "خرق" بلا وجہ ایک جرأت ہے۔ یہ فتویٰ فقہا کی ان واضح تصریحات پر مبنی تھا کہ تدفین میں بڑی سے بڑی مخالف سنت چیز بھی آجائے مثلاً میّت قبلہ رخ نہ رکھی گئی ہو یا بائیں کروٹ پر ہو یا اس کا سر پاؤں کی جگہ ہو یا غسل اور نماز جنازہ جو میّت کا ایک حق واجب اور امت پر فرض کفایہ ہے اگر کسی وجہ سے غسل یا نماز جنازہ بھی رہ جائے تب بھی نعش یعنی کھولنا جائز نہیں۔ اندر کی حالت عالم الغیب والسرائر کے سامنے ہے۔ بلا کسی شدید مجبوری کے اسے کھولنا اور ٹٹولنا شرفِ انسانیت کی رعایت کے خلاف ہے۔

الغرض یہ مسئلہ الیسا نظری اور پیچیدہ نہ تھا جو جادۂ حق و اعتدال پر ہر حالت میں قائم رہنے والی ایک جماعت "علماء دیوبند" کیلئے اس حد تک وجہ نزاع بن جاتا۔ ایک ایسی جماعت جس کے سامنے اپنے مسلک حق کا عمومی مزاج اور برزخ و عالم برزخ کے بارہ میں سلف کا محتاط رویہ اور تعلیمات ہوں، جس کے ہاں اصل زور رسوم و آثار پر نہیں معنوی کمالات اور روحانی مقامات پر دیا جاتا ہو۔ قبر پرستی اور مظاہر پرستی سے نفور میں ضرب المثل ہو، پھر جانے والے مرحوم اکابر کی عظمت وحرمت اور آداب کی رعایت میں بھی اس جماعت کا رویہ مثالی رہا ہو، ایک ایسی جماعت کے ہاں ایسے دوراز کار موضوع پر شور و ہنگامہ فتویٰ اور جواب فتویٰ۔ رسائل اور مضمیوں کی بھرمار اس طبقہ کے عمومی مزاج اور پوری تاریخ سے بے جوڑ سی بات ہے۔ جبکہ اس مسئلہ کو بار بار اٹھانے سے فکری و علمی مفاسد کے علاوہ مقامی طور پر کسی بڑے فتنہ وفساد کا بھی اندیشہ ہے۔ والفتنۃ اشدّ من القتل۔۔ اس لئے اپنی کم مائیگی اور تہی دامنی کے پورے احساس اور دونوں طرف کے اکابر کی عظمت وادب کا پورا استحضار رکھتے ہوئے ان اکابر کے مجموعی اصابتِ فکر، سلامت روی، طلبِ حق اور خشیۃ واخلاص اور طریقِ حکمت و موعظمت جیسی الٰہی صفات کی امید پر اتنا عرض کرنے کی جسارت کی جارہی ہے۔ کہ للّٰہ اس مسئلہ کو تقدیر الٰہی سمجھ کر یہیں ختم کر دیا جائے۔ حضرتؒ کی تدفین جہاں مقدر تھی ہو چکی، اب وہ ملاءِ اعلیٰ اور اعلیٰ علیین میں آسودۂ استراحت ہیں (انشاء اللہ) اب اصلاح ذات البین اور رفع نزاع کی نیت سے اپنے جذبات عقیدت کو قابو میں رکھ کر حضرتؒ کے مزار کو موجودہ حالت میں رہنے دیا جائے۔ اور اس موضوع کو مزید علمی جولانئ

طبع کا میدان نہ بنایا جائے، ورنہ احتمال ہے کہ آگے چل کر یہ چیز دین سے بیزار طبیعتوں کے لئے استخفاف اور استہزاء کا ذریعہ بن جائے ولا فعلها الله۔ دینی حمیت اور حضور اقدسؐ کے متوارث اور مسنون طریقوں کی حفاظت و تحفظ کے لئے اس سے بہتر اور ہزار ہا ہزار اہم تقاضے اور مصارف موجود ہیں۔ ہمیں اپنی پوری طاقت و قوت امت کے ان مسائل پر لگانی چاہیئے جن پر نہ صرف پوری امت بلکہ دین کی بقاء اور ترقی کا انحصار ہے۔ اسطرح خدا کی رحمت اور تائید ہمارے ساتھ ہوگی۔ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم۔ ان گذارشات سے ہرگز بھی کسی گروہ کی طرفداری یا کسی کی دلآزاری مقصود نہیں ایک نیازمندانہ گذارش ہے اور اکابر کی توجہ کی مستحق۔

والله یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق
۱۰ر جمادی الثانی ۱۳۹۱ھ

---

بقیہ: محمود غزنویؒ کے دیس میں | حالات عالیہ کے ذکر سے لبریز ہیں۔ کرامت اور علو مرتبت کا یہ عالم کہ لبسا اوقات جہاں قدم پڑتا وہاں سبزہ اگا دیتی مگر یہ کونسی بڑی بات ہے۔ یہ لوگ تو مردہ دلوں کو حیات جاودانی بخشتے تھے۔ خاک ان کی نظر سے کیمیا ہو جاتی تھی۔ ذرا دائیں جانب ہٹ کر ان کی پاکباز رفیق حیات خاتون کا مزار ہے۔ چاروں طرف دیواروں اور گنبد سے ڈھکا ہوا، اندر جانے کا راستہ نہیں۔ اس لئے کہ یہ اس زمانہ کی خاتون تھیں جو عفت حیا، خوف خدا اور ایمان و یقین کا پیکر ہوا کرتی تھیں، جاتے جاتے وصیت کر بیٹھیں کہ میری قبر کو چاروں طرف سے عمارت میں ڈھانک دیا جائے کہ بعد از مرگ کسی غیر محرم کو قبر پر بھی نگاہیں ڈالنے کا موقعہ نہ ملے۔ بیشک یہ ان مومنات قانتات میں سے ہوں گی، جن کی پاکیزگیوں کو اللہ نے قرآن میں سراہا ہے۔ وہ رونق محفل بننے والوں میں سے نہ تھیں۔ بلاشبہ اس زمانہ کی خواتین مرد سے مساوات کی قائل نہ تھیں، مگر ایسی صفات کی بدولت اللہ انہیں نہ صرف مساوی بلکہ مردوں سے بڑھا بھی دیتا تھا۔ ولیس الذکر کالانثی۔

شیخ الاسلام خضرویہ کے مزار سے ذرا جانب مشرق چلے جائیے، یہاں صالحین کے ایک جھرمٹ میں خواجہ ایوب انصار آسودۂ استراحت ہیں۔ یہ اپنے وقت کے ممتاز و معروف عالم و عارف خواجہ عبید اللہ انصار کے والد ماجد ہیں۔ خود بھی بڑے ولی اور عارف کامل خواجہ عبید اللہ کا مزار ہرات میں ہے — ع این خانہ ہمہ آفتاب ہیں۔ ارد گرد قبور کے نشانات ہیں۔ کچھ بوسیدہ کتبے جو پڑھے نہیں جا سکے مگر ہماری مجد و شرف کی کیا کیا نشانیاں خاک کے ان ڈھیروں میں پنہاں ہونگی۔ وہاں سے آگے جائیں تو ——— (باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

افادات حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی
قدس اللہ سرہٗ

# شریعتِ اسلامیہ کی جامعیت ؟

کیا اس کے ہوتے ہوئے کسی اور قانون سازی کی ضرورت ہے؟

میرے محترم بزرگو! آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) جس طرح آخرت کی فلاح وانجام کے ذرائع اور اسباب کو بتلاتی ہیں، اسی طرح اس دنیاوی زندگی کی فلاح وبہبودی پر بھی پوری روشنی ڈالتی ہیں وہ جسطرح روحانیت اور ملکیت کی دشوار گذار گھاٹیوں میں رہنمائی کرتی ہیں، اسیطرح مادیت اور بہیمیت کی اصلاح اور درستی کی راہوں میں بھی مشعلِ ہدایت بنتی ہیں۔ وہ جسطرح مخلوق کو خالق اور اس کی رضا وخوشنودی سے دوچار کرتی ہیں۔ اسی طرح مخلوقات کے آپس کے تعلقات کو بھی نہایت استوار اور مہذب بناتی ہیں۔ وہ جسطرح شخصی اور انفرادی اخلاق واعمال کی درستی کی ذمہ داری کرتی ہیں۔ اسی طرح اجتماعی زندگی اور سیاسی ترقیات کی بھی کفالت کرتی ہیں۔ وہ اگر ایک طرف تدبیر منزل اور سیاسیات مدنیہ کی اصلاحی اسکیم پیش کرتی ہیں۔ تو دوسری طرف اعتقادات حقہ اور حکم بالغہ کی طرف بھی ہدایت کرتی ہیں۔ انہوں نے اگر اوہام وشکوک اور عقائد باطلہ کا قلع وقمع کر دیا ہے۔ تو دوسری طرف بیکاری، گداگری، آرام طلبی، اسراف، ظلم وستم، کمزوروں اور ضعفاء کے ستانے (وغیرہ) کو بھی جڑ سے کھود ڈالا ہے۔ غرض یہ ہے کہ عالمِ انسانی کی روحانی اور جسمانی زندگی اور ترقی کی جس قدر ضرورتیں اور حوائج ہیں خواہ اس عالم سے تعلق رکھتی ہوں یا آئندہ پیش آنے والے عالم سے وابستہ ہوں۔ سپاہی کے لئے ان میں مکمل ہدایات اور رہنمائی موجود ہے۔ قرآن کو اٹھا کر دیکھئے۔ اگر ایک جگہ اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ کا حکم ہے۔ تو دوسری جگہ واعدّوا لھم ما استطعتم۔ الآیۃ کا ارشاد ہے۔ اگر کہیں یاایھا الذین اٰمنوا اذکروا اللہ ذکراً کثیرا۔ فرمایا گیا ہے، تو دوسری جگہ اصلحوا بین اخویکم اور لاتنابزوا بالالقاب وغیرہ آدابِ معاشرت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر کہیں حج، روزہ اور زکوٰۃ کے احکام ذکر کئے گئے ہیں تو دوسری جگہ جہانبانی اور حدود وقصاص، تعزیہ ونکاح۔ طلاق وخلع، جنگ وصلح کے قوانین بتلائے گئے ہیں۔ اگر کہیں اعمال واموال کی اصلاحی تدبیریں زہد وریاضت کی عمدہ صورتیں بتائی

گئی ہیں تو دوسری جگہ عقائدِ حقّہ اور علومِ صادقہ کی تعلیمات موجود ہیں۔ اگر کہیں امم ماضیہ اور اقوامِ عالم کی تاریخ پیش کر کے عبرت دلائی گئی ہے تو دوسری جگہ زمینوں اور اقالیم کی جغرافیائی حالتوں اور ان کی آیات وغیرہ کو نظر و فکر اور غور سے دیکھنے کا ارشاد کیا گیا ہے۔ اگر ایک جگہ فلکیات اور نجوم و کواکب کی طرف توجہ دلائی گئی ہے تو دوسری طرف کائنات الجو اور نفسیات کو پیش کیا گیا ہے۔ اگر ایک جگہ فلسفۂ جمادات، نباتات، حیوانات، عنصریات، طبعیات اور مابعد الطبعیات کو سمجھایا گیا ہے تو دوسری جگہ حکمتِ ابدان و نفوس اور روحانیت، عالمِ ملکوت، مافوق المحسّیات وغیرہ کو روشن کیا گیا ہے۔

الحاصل مذہبِ اسلام اور اس کے علوم و تعلیمات ایک جامع اور مکمل روشنی ہے، جس میں ہر قسم کی اصلاح اور ہر نوع کی ہدایتیں موجود ہیں۔ وہ ان مذاہب کی طرح سے ناقص مذہب نہیں ہے، جس میں انسانی نجات کے ایک پہلو کا تکفل کیا گیا ہے اور دوسرے پہلوؤں سے اعراض اور بے توجہی برتی گئی ہو۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تئیس ۲۳ سالہ زندگی اور تعلیمات کو ملاحظہ فرمایئے کہ کس قدر جامع واقع ہوئی ہے۔ اگر ایک طرف آپ اصولِ خلافت و سلطنت جمہوریت اور آدابِ حکمرانی، تدابیرِ مملکت، حل و عقد، صلح و جنگ وغیرہ عمل میں لاتے اور تعلیم فرماتے ہیں تو دوسری طرف سیاستِ منزلی، تہذیب اخلاق، آراستگیٔ آداب، خاندانی معاملات، گھرانوں کے آپس کے تعلقات کو اعلیٰ پیمانے پر عمل میں لاتے ہوئے لوگوں کو سکھلاتے ہیں۔ اگر کبھی آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام مسندِ قضا اور کرسی، انصاف و فصلِ خصومات، قطعِ منازعات پر جلوہ افروز ہوتے ہوئے ججی اور چیف جسٹسی کے فرائض کو انجام دیتے اور امت کو ان کا درس دیتے ہوئے فیصلہ جات کے دستور العمل کی تعلیم کرتے ہیں تو کبھی قواعدِ تقنین، استخراج مسائل، افتاءِ واقعات۔ استنباطِ احکام عمل میں لاتے ہوئے لوگوں کو لاء اور قانون کا ماہر بناتے ہیں۔

اگر کبھی آپ کرسیٔ احتساب و فوجداری پر بیٹھے ہوئے حدود و قصاص، تعزیر و حبس، ضرب و طرد، تادیب وغیرہ مجرموں۔ قانون وغیرہ کو ہاتھ میں لینے والوں۔ اہلِ فسق و فجور، اصحاب بغی و عدوان۔ اربابِ منکرات قانون شکنی کرنے والوں وغیرہ پر جاری فرماتے ہوئے۔ طرقِ سیاست۔ اہلِ بدعات، قواعد احتساب ذرائع سدِ منکرات، مداخل شہوات و غضب۔ تعدی و غضب کے روکنے اور تھامنے کے قوانین کی تعلیم فرماتے ہیں۔ تو کبھی خوش الحانی اور عمدہ طریقہ پر قرآن خوانی کرتے

ہوئے قلوب و ارواح کو زندہ کرتے اور قواعد قرأت و تجوید، مخارج حروف اور صفات اظہار و اخفاء وغیرہ کی تعلیم دیتے ہیں، کبھی اور اد و ادعیہ۔ نوافل نماز و روزہ۔ شب بیداری و تہجد گذاری۔ ذکر و فکر اعمالِ روحانی وغیرہ میں مستغرق ہوتے ہوئے انوار ربانیہ کو جلوہ افروز اور ملائکہ روحانیہ کو جذب کرتے اور مادی ظلمات اور نفسانی کثافتوں کو دور کرتے ہوئے حاضرین بارگاہ کی غفلتوں اور پراگندگی کو دفع کرتے ہیں۔

ان طرق ذکر و فکر وغیرہ کی تعلیم اور ان کا تصفیہ اور تذکیہ کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ تو کبھی اسرار ذات و صفات و افعال و احکام الٰہیہ اور بے غایت و بے نہایت علوم و حقائق کو بیان فرماتے ہوئے لوگوں کو علوم و حقائق فلسفہ الہیات اور حکم حقیقیہ کی تعلیم کرتے ہیں۔ اگر کبھی آپ ممبر وعظ و نصیحت پر جلوہ فرماتے ہوئے دلوں اور روحوں میں زلزلہ ڈالتے ہیں۔ اور ترغیب و ترہیب کے میدان میں اترکر دوزخ کے عذاب، قبر اور حشر و نشر کے ہولناک منازل حساب اور میزان و پلصراط کے جانگداز مصائب و مشکلات، جنّت کی اعلیٰ درجہ کی نعمتیں اور اس کے مقاماتِ عالیہ اور ان کے ذرائع و اسباب کا ذکر کرکے کافروں کی زنّاروں کو تڑواتے نافرمانوں اور عاصیوں سے توبہ کراتے۔ سخت دلوں کو موم بناتے اور مادّی دنیا اور اس کے تعلقات سے زاہد اور متنفر کرتے ہوئے حق شناسی کی تعلیم و تلقین فرماتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ تو کبھی میادین جنگ اُحد بدر، حنین، تبوک وغیرہ میں اترکر مورچہ بندی۔ صف آرائی، تربیتِ افواج، قتل و قتال، فتح و شکست وغیرہ خدماتِ سپہ سالاری و جرنیلی انجام دیتے ہوئے لوگوں کو مکمل فوجی تعلیم دیتے ہیں۔ اگر آپ ماہر اقتصادیات اور استاد معاشیات بن کر کبھی تجارات، صناعات۔ کسب معیشت، زراعات وغیرہ کی تعلیمات اور ترغیبات دیتے ہوئے اقتصادیات کی تلقین بیکاری اور گداگری کی قباحتیں ذکر فرماتے اور بیع و شرا مزارعت و مساقات، سلم و اجارہ، رہن و حوالہ، کفالت و شرکت وقف ودلیعت وغیرہ ضروری معاملات کے قوانین بناتے اور تعلیم دیتے ہیں تو کبھی فرائض رسالت و سفارت انجام دیتے ہوئے تبلیغ اور دعوت فرماتے اور دنیا کی قوموں اور بادشاہوں کو حق پرستی اور حقیقی اصلاح و نجات کی طرف بلاتے ہیں۔ لوگوں کو حسبِ استعداد قابلیّت اطرافِ عالم کی طرف بھیجتے ہیں۔ اقوام عالم کے قلوب کو مائل کرنے اور اُن کی ارواح کو مسخر کرنے کی عمدہ سے عمدہ تدبیریں عمل میں لاتے ہیں۔ اگر کبھی روحانی مرشد کامل بنکر ارشاد و تلقین۔ تزکیہ و تجلیہ عمل میں لاتے ہوئے اپنی روحانی طاقت اور توجہ قلبی سے لوگوں کے دلوں اور روحوں سے نفسانی کدورتوں

اور مادی آلائشوں کو دور کرتے اور اسکی تعلیم دیتے ہیں۔ اور کبھی جسمانی امراض اور ابدانی اقسام کے معالجہ کرنے والے خواص عقاقیر و ادویہ، اور امراض کی تشخیص کرنے والے اور اس کی تعلیم دینے والے نظر آتے ہیں۔

الغرض حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئس سالہ زندگی اور آپ کی تعلیمات پر اگر غور سے نظر ڈالی جائے اور آپ کی تعلیمات پر توجہ کی جائے تو اس قدر جامع اور کامل نظر آئے گی کہ جس کی نظیر کسی رہبر اور کسی ہادی میں ملنی دشوار بلکہ محال ہے، آپ کی صداقت اور کمالات کے متعلق جو کچھ غیر مسلموں نے لکھا ہے۔ اور جو کچھ آپ کی سچی اور بے لوث مکمل تعلیمات پر مخالفین نے رائے زنی کی ہے۔ اگر ہم جمع کریں تو ایک طویل دفتر ہو جائے۔ مگر بطور مشتے نمونہ از خروارے، ہم مسٹر طامس کارلائل کا وہ مقولہ نقل کرتے ہیں جو اس نے اپنی تصنیف ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ میں لکھا ہے وہ کہتا ہے:
'صاف شفاف قلب اور پاکیزہ روح رکھنے والے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دنیوی ہوا و ہوس سے بالکل بے لوث تھے۔ ان کے خیالات نہایت متبرک اور ان کے اخلاق نہایت اعلیٰ تھے وہ ایک سرگرم اور پرجوش ریفارمر تھے جن کو خدا نے گمراہوں کی ہدایت کے لئے مقرر کیا تھا۔ ایسے شخص کا کلام خود خدائی آواز ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انتھک کوشش کے ساتھ حقانیت کی اشاعت کی اور زندگی کے آخری لمحہ تک اپنے مقدس مشن کی تبلیغ جاری رکھی۔ دنیا کے ہر حصہ میں ان کے متبعین بکثرت موجود ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صداقت کامیاب ہوئی (عصر جدید ۱۸ اگست ۱۹۲۹)
اور یہی وجہ ہے کہ آپ کے صحابہ کرام اور تلامیذ عظام نے کامل ہادی اور مکمل ریفارمر بن کر آپ کے بعد ہی تقریباً تمام دنیا میں عدل و حقانیت، خدا ترسی و عدالت، اخلاص و للٰہیت، سچی مساوات اور مکمل سیاست، کامل ہمدردی اور اخوت، انصاف اور جمہوریت پھیلا دی۔ بچوں کا قتل کرنا مٹا دیا۔ ناروا غلامی کو دور کر دیا۔ ملکی حقوق میں برابری دیدی۔ اپنوں اور غیروں، مسلم اور غیر مسلم ایشیائی اور افریقی، عرب اور عجم وغیرہ میں یکساں انصاف کیا۔ بھاری محصولات سلطنت کو گھٹا کر عشر (دسواں) اور نصف العشر (بیسواں) اور ربع العشر (چالیسواں) حصہ کر دیا۔ تجارت کو تمام بے جا محصولات اور مزاحمتوں سے آزاد کر دیا۔ اسلام کے معتقدین کو مذہبی سرگرمیوں کیلئے جبریہ ٹیکس دینے سے بری کر دیا۔ مغلوب مذاہب پر غالب کیلئے مذہبی چندوں کی رسم کو مٹا دیا۔ انہوں نے ان مفتوح اقوام کو بھی ہر قسم کے حقوق اپنوں کی طرح عطا کئے جو کہ اپنے ہی مذاہب کے پابند تھے، ان کے جان و مال، عزت و آبرو کی اسی طرح حفاظت کی جسطرح مسلم اقوام کی کیجاتی تھی۔ ان کو ہر قسم کی پناہ دی۔ انہوں نے مال کی حفاظت

کے لئے سود لینے کو اور بغیر حکم عدالت خون کا بدلہ لینے کو موقوف کر دیا، صفائی اور پرہیزگاری کا تحفظ لیا۔ حرام کاری کو موقوف کر دیا، غریبوں کو خیرات دینے اور بڑوں کی تعظیم اور چھوٹوں پر رحمت و شفقت کی ہدایت کی۔ حیا و شرم کو پھیلایا، فواحش اور منکرات کو مٹایا، اوہام باطلہ اور من گھڑت اور مادی آلہہ کی حکومت کو اقوام عالم سے نیست و نابود کر دیا۔ اور ان کی نفرت لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دی۔

ان تھوڑے ہی دنوں کی تعلیم و تربیت سے اگر ایک طرف خالد بن ولید، ابو عبیدہ بن الجراح، سعد بن وقاص، عمرو بن عاص، سلمان فارسی وغیرہم جیسے فاتحین عالم اور سپہ سالار پیدا ہو گئے جنہوں نے قوی سے قوی اور مضبوط سے مضبوط سلطنتوں کے تختے الٹ دیئے تو دوسری طرف ابوبکر بن ابی قحافہ، عمر بن خطاب، عثمان بن عفان، معاویہ بن ابی سفیان جیسے سیاسی جہاں بان بنا دیئے گئے۔ اگر ایک طرف ابو ذر غفاری، عبداللہ بن عمرو عاص جیسے زہاد و عباد تارک الدنیا بن گئے تو دوسری طرف حکیم بن حزام، عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہ جیسے اعلیٰ درجہ کے تاجر تیار ہو گئے۔ اگر ایک طرف حضرت علی بن ابی طالب، زید بن ثابت، عبداللہ بن عباس جیسے قاضی اور جج تیار ہوئے۔ تو دوسری طرف ابوہریرہ، انس بن مالک، عبداللہ بن مسعود جیسے پروفیسران علوم موجود ہو گئے (اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو میں اس کی تفصیلی فہرست پیش کرتا۔

یہی تعلیمی جامعیت اور مذہب کی ہر قسم اور ہر شعبہ پر شان احتوا تھی۔ جس کے ہر قانون اور ہر قاعدہ میں مشفقانہ اصلاح اور مربیانہ ہمدردی بھری ہوئی تھی، اس نے مسلمانوں کو باوجود ہر قسم کی بے سروسامانی کے اقوام عالم پر حکمراں بنا دیا۔ بڑی سے بڑی قومیں ان کے سامنے سربسجود ہو گئیں۔۔ مذہب اسلام عالم انسانی کے دلوں میں جاگزیں ہو گیا۔ قومیں فوجاً فوجاً اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئیں، نہ صرف مفتوح قومیں بلکہ اجنبی ممالک، اور فاتح اسلام قومیں بھی اسلام میں داخل ہو گئیں، جس کی بنا پر نہایت ہی تھوڑے عرصہ میں بحر اٹلانٹک کے مشرقی ساحل سے لیکر بحر پاسفک کے مغربی ساحلوں اور اس کے جزائر تک اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا۔ اور باوجودیکہ بانیٔ اسلام کی جدائی کے وقت مسلمانوں کی مردم شماری چار لاکھ سے زائد نظر نہیں آتی۔ مگر آج بقول نیویارک ٹائمز اسلام کے ماننے والے ستر کروڑ پائے جاتے ہیں۔ مسلمانوں نے اسی تعلیم قرآن و حدیث کو مختلف شعبوں میں تقسیم کر کے علیحدہ علیحدہ فنون بنائے۔ علم عقائد و توحید میں بہت سی کتابیں مختصر اور مطول لکھی گئیں، جن میں انہیں علوم سابقہ اور حقائق یقینیہ پر روشنی ڈالی گئی۔ جو کہ الہیات اور رسالت، مبدا اور معاد وغیرہ سے تعلق رکھتے تھے مشکوک اور شبہات

باطلہ اور اوہام وخیالاتِ فاسدہ کو جن میں دوسرے مذاہب مبتلا تھے، ان کا قلع قمع کیا گیا۔ فلسفۂ یونان وغیرہ کے ترجمے ہونے کے بعد جو امور باعثِ شکوک ہوتے تھے یا ہو سکتے تھے ان کے ازالہ کے لئے طویل طویل بحثیں پیش آئیں۔ اور علم کلام مدوّن ہوا، ان میں دہریہ، ملاحدہ، یہود، نصاریٰ، بت پرستوں وغیرہ کے شبہات وغیرہ پر پوری روشنی ڈالی گئی۔ علم فقہ میں تمام اسلامی قوانین کو ضبط کیا گیا، جو کہ طہارت و عبادت، نماز روزہ، زکوٰۃ حج کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتے بلکہ ان میں تدبیر منزل کے تمام قوانین خواہ نکاح وطلاق و عدت، رجعت، خلع و ایلاء وغیرہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں یا معاشرت اور امور خانہ داری، انصاف بین الازواج والاقرباء والخدمہ سے وابستہ ہوں، سب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیز غیر مسلم رعایا اور اعدائے اسلام اور مخالفین خلافتِ اسلامیہ نافرمانان قوانین وغیرہ کے متعلق احکام و تعزیرات صلح وجنگ جزیہ اور ٹیکس وغیرہ کے اصول و قوانین بتائے گئے ہیں۔

دنیاوی زندگی کے تمام معاملات، کمپنیوں اور شرکتوں کے قواعد، تجارات اور صناعات کے احکام، مفصل خصومات، شہادات اور ایمان کے تمسکوں، اقرارناموں، فارموں اور اسٹامپ، وصیت ناموں، وکالت ناموں وغیرہ کے ضوابط اور صور درج کئے گئے ہیں۔ فتاویٰ اور شروح جن پر تمام اسلامی حکومتوں کا ہمیشہ عمل درآمد رہا ہے۔ انہیں قوانین سے پر ہیں۔

علمِ تصوف میں اخلاقیات پر پوری روشنی ڈالی گئی ہے۔ زہد و ریاضت، تقویٰ اور پرہیزگاری، خداترسی۔ اور خلقت پروری، روحانیت اور محاسنِ اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے، علاوہ ازیں اصولِ فقہ، اصولِ حدیث، اصول تفسیر، تفسیر اور ان کے آلات و ذرائع۔ نحو، صرف، معانی، بیان، ادب، لغت، قراءۃ و تجوید، فرائض، حساب، ریاضی، جغرافیہ، تاریخ، ہیئۃ، فلسفہ، منطق، جبر و مقابلہ، مساحت، اصطرلاب ربع مجیب وغیرہ ہر قسم کے فنون ہیں جن کو مدارس اسلامیہ کے پروگرام میں ہمیشہ سے کم و بیش حصہ دیا گیا ہے۔ ان علوم و فنون میں سب سے زیادہ خداترسی اور تعلق الٰہی اور رضا جوئی خداوندی کو اہمیت دی گئی ہے۔ مخلوق کو خالق سے وابستہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اخلاق فاضلہ خیراندیشی، فیض رسانی، پاکدامنی، حیا، تحمل، صبر، کفایت شعاری، سچائی، راستبازی، عالی ہمتی، صلح پسندی، سچی محبت و ہمدردی، توکل بخدا، رضا بالقضا، انقیادِ امر الٰہی، رعایا پروری، رواداری، ایثار و قربانی وغیرہ کو بہت زیادہ سراہا گیا ہے۔ ناانصافی، کذب، غرور، انتقام، غیبت، استہزاء، طمع، فضول گوئی، فضول خرچی، خودغرضی، عیاشی، خیانت، بدعہدی، بدگمانی، قطع رحمی، نفاق وغیرہ برے افعال و اعمال کو بہت زیادہ قابل ملامت و نفرین قرار دیا گیا ہے۔ اور ان کو نہایت ہی قبیح بلکہ بے دینی بتایا گیا ہے۔ ان میں

سچائی کے ساتھ، مخلوقِ خدا کے ساتھ احسان وکرم، نفع رسانی اور خیر خواہی کی تاکید کی گئی ہے، ابتداء ہی سے تعلیماتِ اسلامیہ میں ایسی ایسی درسیات داخل کی گئی ہیں، جن سے بچپن ہی سے اس قسم کے جذبات پیدا ہوجائیں، بے حیائی اور خود غرضی فواحش اور دست درازی، گناہوں وغیرہ سے نفرت دل میں جاگزیں ہوجائے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی تعلیمات میں کریما، مامقیما، پند نامہ عطار، گلستان، بوستاں وغیرہ جیسی کتب داخل کی گئیں، جن سے روحانیات اور روحانی اخلاق میں روز افزوں ترقی موجزن ہوتی تھی۔ ان میں خداوند کریم کی غیر محدود طاقت اور علم کا یقین دلایا گیا ہے، برائیوں اور ممنوعات کے ارتکاب پر بے پناہ عذابِ خداوندی سے ڈرایا گیا ہے۔ اور فرمانبرداری اور عمدہ اعمال و اخلاق پر غیر متناہی انعامات کے پختہ وعدے کئے گئے ہیں۔ جن کی وجہ سے حقیقی امن و امان اور کامل ترقی اور فلاح دنیا و آخرت میں ہوسکتی ہے۔ تنہائی میں مجالس میں چہار دیواری کے احاطوں میں پہاڑوں میں جنگلوں میں، تہ خانوں میں، شہنشاہی تختوں پر، مضبوط قلعوں کے احاطوں میں، افواج و عساکر کی قوتوں کے ساتھ بیچارگی اور کمزوری کی حالت میں یکساں طور پر برے اعمال و اخلاق سے بچنا، اور محاسن افعال و ملکات کو اختیار کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ (باقی آئندہ)

اسلام کی جامعیت کے مقابلہ میں مغربی علوم، تہذیب و تمدّن اور تعلیماتِ جدیدہ کی کیا حالت ہے — ؟ اس کا موازنہ اگلی قسط میں ملاحظہ فرمادیں۔ (ادارہ)

بقیہ وعوات عبدیتِ حق | رہا ہے۔ اس کو بلاکر پروانہ واپس لے لیا اور کہا کہ مصاحبت گو تھوڑی ہی کیوں نہ ہو مگر اس کا بھی ضرور اثر ہوتا ہے تم حجاج کے ساتھ ایک دن بھی رہے ہو تو تجھ میں اسکی خو آئی ہوگی۔ ایک عام شاہی فرمان عدی بن عدی کے واسطہ سے جاری فرمایا جس میں ارشاد تھا: اِنّ للایمان فرائض — الخ ایمان کے کچھ تقاضے ہیں اس کو پورا کرنا ہوگا۔ تب ایمان کامل ہوگا ورنہ نرا ایمان کا دعویٰ کام نہیں دے گا۔ ایمان کیلئے اعمال ہیں مثلاً صلوٰۃ زکوٰۃ، صوم، حج وغیرہ اور کچھ عقائد ہیں، کچھ منہیات ہیں۔ اسطرح ایمان کے کچھ حدود ہیں جس سے مراد سزائیں بھی ہیں جیسے حدِ زنا، حد سرقہ، حد شرب، حد قذف، اور اعمال کے حدود ان کا مبدأ و منتہیٰ بھی ہے اور حضورؐ کے بیان کردہ طریقے بھی ہیں سب طرق اور احکام و قوانینِ اسلامیہ کی رعایت لازمی ہوگی۔ امیر المومنین کہ ایسے احکام اور کوششوں نے فضا بدل دی۔ خلافت راشدہ جیسا دور آیا اور اللہ نے ان کے ذریعہ اسلام کی حفاظت فرمائی۔ ہم بھی آج اسلامی قوانین کی برکات سے محروم ہیں۔ خداوند کریم ہمیں انگریزی قانون سے نجات دیکر عمر بن عبدالعزیز کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین۔

حضرت علامہ شمس الحق افغانی مد ظلہٗ

# قرآن کی عظمت ——— نتائج کی روشنی میں

**لسانی عظمت** | قرآن کی زبان عربی ہے اور تورات کی زبان عبرانی، انجیل کی زبان عبرانی یا سریانی ہے۔ قدرت کے تصرفات عجیب ہیں، جب قدرتِ الٰہیہ نے یہ طے کیا کہ انسانیت کی اصلاح کے لئے آخری کتاب عربی زبان میں نازل کی جائے گی۔ اور وہی کتاب انسانیت کے لئے آخری ضابطۂ حیات ہوگی۔ اور باقی آسمانی کتابیں اس کی آمد پر منسوخ ہوں گی ——— تو قدرت نے اولاً ان کتابوں کی زبانوں کو ختم کر کے عملی زندگی سے خارج کر دیا۔ اور آج یہود و نصارٰی کی پوری کوششوں کے باوجود دنیا کے وسیع رقبہ میں ایک صوبہ بلکہ ایک ضلع یا ایک تحصیل بھی ایسی موجود نہیں۔ جہاں کے عوام عبرانی یا سریانی زبان بولتے ہوں۔ حالانکہ تورات، انجیل کے نزول کے زمانے میں یہ دونوں زبانیں ملکی زبانیں تھیں۔ البتہ بعض سکولوں اور کالجوں میں علم الالسنہ کے تحت ایک مردہ زبان کی شکل میں خال خال ان کی تعلیم دی جاتی ہے۔ لیکن زندگی میں ان زبانوں کا عمل و دخل نہیں۔ بلکہ جو کتابیں فی الحقیقت آسمانی نہ تھیں۔ اور ان کے ماننے والوں نے ان کو آسمانی قرار دیا تھا، ان کو بھی اور ان کی زبانوں کو بھی قدرت کے زبردست ہاتھ نے عبرانی اور سریانی زبان کی طرح دنیا سے ختم کر دیا۔ مثلاً وید جو سنسکرت زبان میں ہیں۔ اور ژند و پاژند جو فرسی زبان میں ہیں۔ یہ دونوں زبانیں آج کسی خطۂ زمین میں عوام استعمال نہیں کرتے۔ لیکن قرآنِ حکیم جو آخری کتاب الٰہی تھی۔ اسکی عربی زبان جسکی حفاظت کا انتظام بھی نہ تھا۔ کیونکہ وہ ناخواندہ اور غیر متمدّن قوم کی زبان تھی۔ اس کو قرآن کیطرح قدرت نے ہمیشہ باقی رکھنا تھا۔ تو اس کے دائرے کو وسیع کیا۔

نزولِ قرآن کے زمانہ میں وہ صرف حجاز، یمن، اور نجد میں بولی جاتی تھی۔ اب اس کے علاوہ عراق، شام، فلسطین، لبنان، مصر، سوڈان، طرابلس، الجزائر، مراکش اور ٹیونس میں بولی جاتی ہے۔ اور باقی عالمِ اسلام انڈونیشیا، ملایا، پاکستان، ایران، ترکی، افغانستان وغیرہ کے

اہل علم بھی اس کو بولتے اور سمجھتے ہیں۔ یہی اس الہامی کتاب کی زبان ہے۔ جس کو کم از کم بائیس ۲۲ کروڑ انسان بولتے ہیں۔ یہ قرآن کی وہ عظمت ہے، جو دیگر کتب سماویہ کو حاصل نہیں۔ جس کی زبان کے لئے خود قدرت نے میدان صاف کیا۔ بغیر انسانی تدبیر کے اس کو پھیلایا اور دیگر کتب سماویہ کی زبانوں کو تقریباً ختم کیا۔

نزل به الروح الامین علی قلبك لتکون من المنذرین بلسانٍ عربی مبین۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن روح الامین کے ذریعہ یعنی جبرئیل کے ذریعہ تم پر یعنی تیرے دل پر اتارا تاکہ تم ڈر سناؤ اور نازل شدہ وحی صرف مضمون کی نہیں بلکہ الفاظ کے لباس میں ہے: بلسانٍ عربی مبین۔ جو واضح عربی زبان میں ہے۔

ساحروں، کاہنوں، اور شاعروں کی طرح چیستان نہیں، اور نہ اصل مقصد پیچیدہ ہے۔ البتہ قانونی وفقہی احکام میں قوتِ اجتہاد کی ضرورت ہے۔ لقد یسرنا القرآن للذکر پند ونصیحت کے لئے قرآن آسان کیا ہے۔ استنباطِ احکام کے لئے فرمایا: لعلمه الذین یستنبطونه منهم۔ تو جان لیتے ان احکام کو وہ لوگ جو استنباط کی اہلیت رکھتے ہیں۔

حفاظتی عظمت | انّا نحن نزلنا الذکر وانّا له لحٰفظون۔ ہم نے قرآن کے الفاظ و معانی کو اتارا ہے۔ اور ہم ضرور اسکی حفاظت کرنے والے ہیں —— دوبار انّا اور دوبار لام لانا گویا چار تاکیدوں سے اس مضمون کو جملہ اسمیہ کے قالب میں موکد کرنا ہے۔ کہ یہ کتاب لفظاً و مفہوم دونوں کے اعتبار سے محفوظ ہو گی اور محافظ بھی مخلوق نہیں بلکہ خالق کائنات ہے۔ جیسی اس کی قدرت وقوت لاجواب ہے۔ ویسی اسکی حفاظت بھی بے نظیر ہو گی، جس میں کوئی قوت رخنہ نہ ڈال سکے گی۔ قرآن کی حفاظت کا جو موکد وعدہ کیا گیا ہے یہ وعدہ چار امور کی حفاظت کو شامل ہے۔

۱۔ حفاظتِ الفاظِ قرآن　　۲۔ حفاظتِ طرز وتلفظ ولہجہ قرأتِ قرآن۔
۳۔ قرآن کے مطالب ومعانی کی حفاظت۔　　۴۔ قرآن کی عملی شکل کی حفاظت

بحمداللہ حفاظت کی یہ چاروں قسمیں آج تک موجود ہیں۔ اور ان میں آج تک کوئی فرق نہیں آیا۔ مستشرقین نے حفاظت پر شبہ پیش کیا ہے۔

شبہ نمبر ۱۔ کہ قول ابن مسعود ہے کہ فاتحہ و معوذتین قرآن سے نہیں۔ اس کا جواب اولاً یہ ہے کہ ابن مسعود کی طرف اس قول کا منسوب کرنا صحیح نہیں۔ جیسے نووی نے شرح المہذب میں

لکھا ہے : وما نقل من ابن مسعود لیس بصحیح - اور ابن حزم نے القدح المعلی میں لکھا ہے :
ھذا کذب علی ابن مسعود وانما صح عنہ قرأۃ عاصم من زر عنہ وفیھا المعوذتان والفاتحہ
یعنی انکار فاتحہ اور معوذتین کو ابن مسعود کی طرف منسوب کرنا جھوٹ ہے۔ بلکہ ابن مسعود سے صحیح
قرأت جو حضرت عاصم نے حضرت زر کے ذریعہ ان سے نقل کی ہے وہی ہے۔ اور اس میں فاتحہ و
معوذتین موجود ہی ہے۔ دوم اگر یہ قول ثابت مانا جائے، تو ابن الصباغ فرماتے ہیں یہ اس وقت
کی بات ہے کہ ان کا تواتر معلوم نہ تھا۔ جب ابن مسعود کو یہ تواتر معلوم ہوا تو رجوع کیا۔ اور دلیل رجوع
خود ابن مسعود کی قرأت ہے۔ جو عاصم نے زر کے ذریعہ ان سے نقل کی ہے۔ سوم۔ جو ابن قتیبہ
نے مشکلات القرآن میں یہ جواب دیا ہے۔ کہ ابن مسعود فاتحہ اور معوذتین کی قراءت کے قائل تھے۔
کتابت کا انکار کر رہے تھے۔ کہ کتابت محفوظیت کے لئے ضروری ہے۔ اور یہ تینوں سورتیں
ہر ایک کو یاد ہیں، لکھنے کی ضرورت نہیں۔ انھما لیستا من کتاب اللہ۔ میں کتاب اللہ سے مراد
مصحف ہے۔ یعنی یہ دونوں فاتحہ اور معوذتین مصحف کا جزء مکتوب نہ ہونا چاہئے۔

شبہ نمبر ۲ - مستشرقین نے دوسرا شبہ حفاظتِ قرآن پر یہ پیش کیا ہے کہ شیعہ تحریف
کے قائل ہیں۔ جواب یہ ہے۔ کہ اسلام کا کوئی فرقہ تحریف کا قائل نہیں۔ عام شیعہ بھی تحریف کے
منکر ہیں۔ شیخ صدوق رسالہ اعتقادیہ میں لکھتے ہیں : مابین الدفتین لیس باکثر من ذلک
ومن نسب الینا انہ اکثر فھو کاذب۔ تفسیر مجمع البیان ابوالقاسم علی بن الحسین الموسوی میں ہے :
ان القرآن علی عھد رسول اللہ مجموعا مولفا علی ما ھو الآن۔ سید مرتضیٰ شیعی لکھتے ہیں : ان العلم بصحۃ القرآن کالعلم
بالبلدان والوقائع الکبار ۔۔۔۔ قال نوراللہ الشوستری الشیعی فی مصائب النواصب ما نسب الشیعۃ الامامیہ بوقوع
التغییر فی القرآن لیس مما قال بہ جمھور الامامیہ انما قال بہ شرذمۃ قلیلۃ لا اعتماد بھم۔

ترجمہ : شیخ صدوق صاحب شیعی رسالہ اعتقادیہ میں لکھتے ہیں کہ قرآن کے دونوں جلدوں
کے درمیان جو کچھ ہے، قرآن اس سے زیادہ نہیں۔ اور جس نے ہم شیعوں کو منسوب کیا ہے کہ قرآن
اس سے زیادہ ہے وہ جھوٹا ہے۔ تفسیر مجمع البیان معتبر شیعی تفسیر میں ہے کہ قرآن حضور علیہ السلام
کے زمانہ میں جمع تھا، اسی شکل میں جس میں اس وقت ہے۔ سید مرتضیٰ شیعی لکھتے ہیں کہ موجود قرآن
کے صحیح ہونے کا علم ایسا متواتر اور یقینی ہے۔ جیسے بڑے بڑے شہروں کا وجود اور بڑے بڑے
واقعات کا ہونا۔ قاضی نوراللہ شوستری شیعی مصائب النواصب میں لکھتے ہیں کہ شیعہ امامیہ کی طرف
جو قرآن کی تغییر منسوب ہے۔ وہ عام شیعوں کا قول نہیں۔ ایک بہت چھوٹے گروہ کا قول ہے۔

جس کا اعتبار نہیں۔ ان حوالجات سے ظاہر ہوا کہ جمہور شیعہ تحریف نہیں مانتے۔

شبہ نمبر ۳۔ اختلاف قرائت سبعہ کے اعتبار سے کیا گیا ہے۔ اختلاف قرأت و منسوخ التلاوت مثلاً آیت رجم سے تحریف کا شبہ کرنا بھی غلط ہے۔ کیونکہ تحریف اس کو کہتے ہیں کہ کسی شاہی دستاویز میں دوسرا آدمی اپنی طرف سے کوئی لفظ ڈالے یا کوئی لفظ نکال دے۔ لیکن خود متکلم اگر ایسا تصرف کرے کہ کسی حکمت کے تحت کسی لفظ کا اضافہ یا ازالہ کرے۔ یہ دنیا کے کسی قانون میں تحریف نہیں۔ اختلاف قرأت اور نسخ تلاوت اسی قسم میں داخل ہیں۔ جو خود متکلم یعنی اللہ رب العلمین کی طرف سے ہے نہ غیر کی طرف سے۔

**الفاظ کی حفاظت** الفاظِ قرآن کی حفاظت کا انتظام تحریری صورت میں کر دیا گیا۔ کہ ٹیونس، مراکش، کاشغر، ماسکو، اور ازبکستان بلکہ تمام کرۂ ارضی کے قرآنی نسخوں میں کوئی فرق اور تفاوت نہیں۔ اور حفاظ قرآن کے ذریعہ بھی کر دیا گیا۔ کہ اگر دنیا میں خدانخواستہ قرآن کا کوئی تحریری نسخہ باقی نہ رہے۔ تو بھی کوئی اسلامی شہر، تحصیل، ضلع اور قصبہ ایسا نہیں، جہاں قرآن کے حافظ موجود نہ ہوں۔ اور مجموعی طور پر ان کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے جو اپنے سینوں سے قرآن دوبارہ مرتب کر سکتے ہیں۔ یہ ایک غیبی اور الٰہی کشش ہے جو حفاظ قرآن کو قرآن سے ہے۔ اگرچہ وہ حفاظ ہند و پاکستان، ایران، افغانستان، ملایا، انڈونیشیا کے ہوں جن کی زبان عربی نہیں لیکن وہ محنت کر کے قرآن حفظ کرتے ہیں۔ حالانکہ نہ حکومت سے ان کو اس حفظ کا کوئی صلہ ملتا ہے، نہ ہی عام مسلمانوں کی طرف سے کوئی خاص معاوضہ دیا جاتا ہے۔ اور پھر محنت اتنی سخت کرنا پڑتی ہے جس کی حد نہیں۔ پھر یہ محنت سال دو سال کی نہیں۔ حافظ جب تک زندہ رہے گا اس کو دور و تکرار کرنا لازمی ہوگا۔ بتاؤ یہ اگر غیبی کشش نہیں تو اور کیا ہے۔ اور یہ قرآن کی عظمت کی وہ دلیل ہے جو آج تک کسی کتاب کو نصیب نہیں ہوئی۔ اسی ذوق اور حلاوت اور جذب کا نتیجہ ہے کہ سلف میں بہت حضرات ایسے گذرے ہیں جو روزانہ دس ختم قرآن شریف کے کرتے تھے۔ بلکہ قسطلانی میں ہے کہ قدس شریف میں اس سے زیادہ ختم کرنے والے کو دیکھا گیا۔ اور بعض حضرات نے تین دن میں قرآن حفظ کیا۔ جیسے محمد بن کلبی جس کا ابن خلکان نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے۔

**طرزِ تلفظ اور لہجِ قرأت کی حفاظت** نزولِ قرآن کے زمانے میں جس طرز و لہجہ سے قرآن کا تلفظ ہوتا تھا، اس کو قرأ قرآن کے ذریعہ محفوظ کیا گیا۔ اور وہی سلسلہ قرأت آج تک محفوظ ہے۔

جن صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام سے قرائت حاصل کی ۔ اور مابعد زمانے کے قراء کے بالذات یا بالواسطہ شیوخ داساتذہ تسلیم کئے گئے اور ان کا سلسلۂ قرائت آج تک موجود ہے ۔ وہ یہ سات حضرات ہیں ۔ عثمان ، علی ، ابی بن کعب ، زید بن ثابت ، عبداللہ بن مسعود ، ابوالدرداء ، ابوموسیٰ الاشعری (مناہل القرآن ج ۱ ص ۴۰۷)

معنوی حفاظت یعنی مطالب قرآن کی محفوظیت | الفاظ قرآن مطالب ومعانی سمجھانے کا ذریعہ ہیں ۔ اگر مطالب و معانی قرآن محفوظ نہ ہوں ۔ بلکہ مغرب زدہ طبقہ کے خیال کے مطابق ہر زمانہ میں نئے مطلب تراشنے کی گنجائش ہو تو الفاظ قرآن کی حفاظت بے کار ہے ۔ جبکہ معنی محفوظ نہ رہے اور الفاظ کا حفظ بے مقصد ہے ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کے معانی کی حفاظت صاحب قرآن کی قولی وعملی وتقریری ذرائع سے فرمائی ۔ اور صاحب قرآن علیہ السلام نے ویعلمہم الکتاب (کہ آپ ان کو مطالب قرآن سکھلادیں) ولتبین للناس ما نزّل الیہم ۔ (تاکہ آپ بیان کریں امت کو قرآن کے مطالب جو ان کی طرف نازل ہوا ہے) کے ارشاد الٰہی کے تحت مطالب قرآن کی تعلیم دی ۔ اب مطالب بھی محفوظ ہو گئے اور کسی کو مجال ترمیم وتحریف نہیں کہ قرآن کے مطالب کو بدل سکے ۔ یا ان میں ترمیم کر سکے ۔

عملی حفاظت قرآن | قرآن کے جن الفاظ مثلاً صلوٰۃ ، زکوٰۃ ، صوم ، حج ، جہاد وغیرہ کے مفہومات شرعیہ حضور علیہ السلام نے بتلائے ہیں ۔ وہ پھر عملاً بھی نماز ، زکوٰۃ ، حج ، جہاد کا نمونہ کر کے دکھایا دیا ، تاکہ قرآنی حقائق عملی صورت میں موجود ہو کر ان کی عملی زندگی کا جزء بن جائیں اور کسی ملحد کو ان الفاظ کے شرعی مفہومات کی تحریفات کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہے ۔

توضیحی مثال | احکام دین کے مجموعہ کو ایک عمارت سمجھو ۔ ہر عمارت کے لئے تین قسم کا وجود لازمی ہے ۔ ۱ ۔ علمی وجود　۲ ۔ تحریری وجود　۳ ۔ خارجی وجود ۔

اسی طرح اسلام اور دین کا جو نقشہ علم الٰہی میں تھا وہ اسلام کا علمی وجود ہے ۔ پھر اسی نقشہ کو جب کتاب وسنت کی شکل میں مرتب کیا گیا ۔ یہ اسلام کا تحریری وجود ہے ۔ پھر دور اوّل کے مسلمانوں نے جب اس کے مطابق عمل کیا ۔ یہ اس کا وجود خارجی ہے ۔ ان سے تابعین نے دیکھ کر سیکھا ، ان سے تبع تابعین نے ۔ علیٰ ہذا القیاس اسلام کا یہ علمی وخارجی وجود کم وبیش تاریخی تسلسل کے ساتھ عہد نبوت سے آج تک موجود ہے ۔ اور قیامت تک رہے گا ۔ جیسے ایک انجینئر بلڈنگ کا نقشہ پہلے ذہن میں مقرر کرتا ہے ۔ پھر اس کو کاغذ پہ بناتا ہے ۔ پھر ملبہ منگوا کر مستری

اور مزدوروں کے ذریعہ خارجی نقشہ تیار کرتا ہے۔ ان تینوں نقشوں میں مطابقت اور موافقت ضروری ہے۔ ورنہ غلطی ہو گی۔ تو اس طرح اسلام کی ایسی جدید تعبیر یا نقشہ جو اسلام کے تحریری نقشہ اور خارجی نقشہ یعنی اسلام کے تاریخی مسلسل وجود خارجی کے جو خلاف ہو وہ غلط اور ایجاد بندہ ہو گا ۔۔۔۔۔

اس سے اسلام کے اندر ہر تحریف و ترمیم کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اسلام کے قوانین ابدی ہیں۔ جیسے وہ اس سے قبل ہزار بارہ سو سال مختلف اقوام اسلامی اور مختلف ملکوں اور زبانوں کی رہنمائی کے لئے کافی تھے، آج بھی کافی ہیں، اور آئندہ بھی کافی رہیں گے۔ بلکہ زمانۂ حاضرہ اسلامی قوانین کا اس سے زیادہ محتاج ہے، جس قدر پہلا دور محتاج تھا۔ یہی قرآن کا وہ کمال اور عظمت ہے۔ جو قبل ازیں کسی کتاب کو نصیب نہیں ہوا۔ انسان اور اس کا قانون جذباتی ہے۔ لیکن قرآن اور قانونِ الٰہی فطری اور اعتدالی ہے۔

**قرآن کی بلاغی عظمت** | قرآن ایک کتاب ہے، جس کو ہم خدا کی کتاب کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہزاروں کتابیں اور بھی موجود ہیں۔ جن کو ہم انسانوں کی کتابیں مانتے ہیں۔ قرآن کو ہم خدا کی طرف اور دیگر کتابوں کو انسان کی طرف کیوں منسوب کرتے ہیں۔ اور اس کا معیار کیا ہے۔؟ معیار وہی ہے، جس کو روزمرّہ کی زندگی میں ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ سائیکل اور موٹر انسان کے بنائے ہوئے ہیں، اور سورج و چاند خدا کے۔ کیونکہ سورج اور چاند کا بنانا انسانی قدرت سے خارج ہے۔ لیکن سائیکل اور موٹر ایسا نہیں۔ یہی معاملہ اور معیار بعینہٖ کتابوں کے متعلق برتا جا سکتا ہے۔ سائیکل، موٹر، سورج چاند چاروں تخلیقی کام ہیں۔ اوّل الذکر دو چیزیں انسانی قدرت کے دائرے میں داخل ہیں۔ اور آخر کی دو چیزیں انسانی قدرت سے خارج ہیں۔ اور خارج ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اب تک انسان سے سورج اور چاند نہ بن سکے۔ اور نہ ہی اس نے کوئی ایسا کارخانہ قائم کیا۔ کہ جس میں سورج اور چاند بنتے ہوں۔ اس کے باوجود کہ قرآن کا ظہور ایک نبی امّی کی زبان سے ہوا، جو نوشت و خواند سے خالی تھے۔ نظم و نثر کہنے والوں میں آپ کا کوئی نام تھا نہ اُن کے ساتھ محبت و مجالست تھی۔ پھر قرآن کا اسلوب بیان ایسا بنا تھا کہ سارے عرب میں اس کا نمونہ موجود نہ تھا۔ اور قرآن جن علوم عالیہ پر مشتمل تھا۔ اُن سے عرب اور غیر عرب سب بالکل محروم تھے۔ اس کے علاوہ عرب میں بے مثال فصیح بلیغ شعراء موجود تھے، جن کو اپنے کمال پہ ناز تھا۔ اور قرآن اور صاحبِ قرآن کے بدترین دشمن تھے، وہ قرآن کے توڑ کو اپنی بڑی کامیابی سمجھتے تھے۔ ان حالات میں قرآن نے

اعلان کیا کہ اس کتاب کی طرح چھوٹی سورت بنا لاؤ۔ اور ساتھ ہی اعلان کیا کہ تم اور خدا کے سوا اگر تمہارے سارے معبود جمع ہو جائیں، جب بھی ایسا نہ کر سکیں گے۔

اس اعلان نے غیور شعراء پر کیا اثر ڈالا ہوگا۔ لیکن جو ناممکن تھا وہ کیونکر ممکن ہو سکتا تھا! اور آج بھی ہزاروں عیسائیوں اور یہودیوں کی مادری زبان عربی ہے، جو لبنان، مصر اور شام وغیرہ میں آباد ہیں۔ اور عربی کی بیسیوں جلدیں اور ڈکشنریاں عربی زبان کی لکھی ہیں۔ وہ قرآن کے دشمن بھی ہیں۔ لیکن ممکن ہے چاند پر وہ مکان بنا سکیں، لیکن یہ کہ سورۂ کوثر کے برابر ایک سطر کی سورت بنا لائیں یہ ناممکن ہے۔ یہ قرآن کی عظیم الشان بلاغی عظمت کی دلیل ہے۔ جس نے پوری انسانیت سے اپنی عظمت کا لوہا منوایا ہے۔

مستشرقین یورپ نے فیضی کی تفسیرِ بے نقط اور ابن امراوندی یہودی کی کتاب تاج کو قرآن کے توڑ میں پیش کیا ہے۔ حالانکہ ان دونوں مصنفوں نے خود یہ دعوٰی نہیں کیا۔ ہم دونوں شبہوں کا جواب لکھتے ہیں۔ فیضی کی تفسیر بے نقط کو بے نظیری میں مثالاً پیش کرنا بے سود ہے۔ خود فیضی اپنی تفسیر کو قرآن کا توڑ نہیں سمجھتا، تو دوسرے کا دعوٰی بے نظیری ایسا ہے کہ مدعی سست اور گواہ چست۔ فیضی خود دیباچہ تفسیر مذکور جس کا نام سواطع الالہام ہے، میں لکھتے ہیں:

کلام اللہ لاحد لحامدہ ولاعد لمکارمہ حامار لاساحل لہ۔ قرآن کی خوبیوں کی حد نہیں۔ اور اس کی فضیلتیں بیشمار ہیں۔ وہ ایک ایسا سمندر ہے جس کا کنارہ نہیں۔

اس کے علاوہ یہ صنعت عرب میں موجود تھی۔ تمام عبارت نقطہ دار حروف یعنی حروفِ معجمہ سے مرکب ہو۔ تمام عبارت مہملہ یعنی بے نقط حروف سے مرکب ہو۔ ایک کلمہ معجمہ حروف کا ہو ایک مہملہ کا، یہ سب مقاماتِ حریری وغیرہ میں موجود ہے۔

**شبہ ابن امراوندی کی تاج کا** باقی ابن امراوندی یہودی زندیق جو یہود و نصاریٰ سے رقم لیکر اس نے "التاج والفرید" لکھا۔ اس کے متعلق ایک اور ملحد ابو العلا المعرٰی نے لکھا ہے: لایصلح تاجہ ان یکون نعلاً۔ ترجمہ: اس کی کتاب تاج چپلی بننے کے قابل نہیں۔ (مناہل القرآن)

باقی آئندہ ~~~~~

- سخاوت پھل ہے مال کا۔ اعمال پھل ہیں علم کا۔ خوشنودئ خدا پھل ہے اخلاص کا۔
- اس نے خدا کا حق نہیں جانا، جس نے لوگوں کا حق نہیں پہچانا۔

(حضرۃ عثمان غنیؓ)

ضبط و ترتیب : ادارۃ الحق

# اسلام کی حفاظت

(خطبۂ جمعۃ المبارک ۸ جمادی الثانی ۱۳۹۱ھ)

(خطبۂ مسنونہ کے بعد) وکتب عمر بن عبد العزیز الی عدی بن عدی ان للایمان فرائض وشرائع وحدوداً وسنناً فمن استکملها فقد استکمل الایمان ومن لم یستکملها لم یستکمل الایمان۔

محترم بزرگو! عمر بن عبد العزیز اس امت کے اوّلین مجدد ہیں، اور اللہ کی عجیب شان ہے۔ کہ اس مذہب اسلام کو فنا ہونے نہیں دیتے۔ حضور کو فکر دامنگیر تھی کہ میرے بعد تو نبی نہیں آئے گا۔ اس امت کی اصلاح اور دین کی حفاظت کیسے ہوگی۔ تو اللہ نے وعدہ فرمایا کہ اس کا انتظام وہ خود فرمادیں گے۔ حدیث میں ارشاد ہے: ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل ماءۃ من یجدد لھا دینھا۔ اللہ تعالیٰ ہر سو سال بعد ایسے افراد کو پیدا فرمائے گا جو اس امت کے لئے ان کے دین کی تجدید کرتا رہے گا۔

سو سالہ دور میں انقلابات بہت آتے ہیں، لوگوں کی عادات و اخلاق، لباس اور طرز و طریق بدل جاتے ہیں جو لوگ مذہب اور دین کو بدلنے کی سعی کرتے ہیں وہ بھی کچھ دوڑ دھوپ کر چکے ہوتے ہیں ہر شعبہ میں تغیّر اور دینی مزاج سے دوری آنے لگتی ہے، ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ مصلحین اور مجددین پیدا فرما دیتا ہے، جو دین کو از سر نو روشن اور تازہ کر دیتے ہیں جسطرح کہ پنسل یا سیاہی سے لکھے ہوئے نقوش وقت گذرنے کے ساتھ دھندے ہو جاتے ہیں، پڑھے نہیں جاسکتے، گرد و غبار میں چھپ جاتے ہیں۔ تو ایک شخص آکر گرد و غبار جھاڑ دیتا ہے اور قلم دوات لیکر پرانے نقوش پر سیاہی پھیر دیتا ہے کہ تازہ ہو جائیں۔

—— تو اسلام کے زرّیں نقوش، اسکی تعلیمات، طرق، سنن، آداب اور واجبات و فرائض

ہیں۔ اگر کسی نے عملاً یا عقیدتاً یا علمی لحاظ سے اس میں رد و بدل کرنے کی کوشش کی ہوتی ہے۔ تحریف و تبدیل سے کام لیا ہوتا ہے، تو اگر ان نقوش کو اسی طرح دھندلا ہی چھوڑ دیا جاتا تو اب تک پوری امت تبدیل ہو چکی ہوتی، دین گم ہو جاتا، مگر اللہ کو اسکی حفاظت مطلوب تھی ___

اور جسطرح اللہ تعالیٰ تکوینیات کا نظام چلاتا ہے کہ آج اللہ نے چاہا تو بارش برسا دی، بادل لایا، مینہ برسایا، سائنس کی کرشمہ کاریوں کا اس میں کوئی دخل نہیں، زندگی موت سب اللہ کی قدرت میں ہیں۔ یہ زمین، آسمان، ہوا، پانی، نہر، دریا سب اللہ کے نظام میں ہیں ___ تو تشریعیات یعنی شریعت کا نظام بھی اسی طرح اللہ ہی چلاتا ہے۔ صرف اتنا ہے کہ تکوینیات سے ہمارا کوئی تعلق نہیں، نہ ہم اس پر مکلف ہیں نہ اس پہ مدارِ فضیلت ہے، ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضرؑ کی صحبت سے کبھی جدا نہ ہوتے اس لئے کہ ان کے پاس تکوینیات کا علم تھا جو اتنا اہم نہ تھا کہ باعثِ رفع درجات ہو اور تشریعیات کا علم باعثِ کمال ہے، وہ حضرت موسیٰ کو حاصل تھا۔ انبیاء تشریعیات کے عالم ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کا درجہ بہت اونچا ہے تکوینیات پر فرشتے مامور ہیں۔ اور انبیاء ملائکہ سے بہت مقدس ہیں، وہ کمال ہے یہ نہیں ___ آج ایم اے بی اے اور انجینئرنگ، سائنس، ڈاکٹری، کو ہی عزت اور آرام و راحت کا سبب سمجھتے ہیں، اور بخاری، ہدایہ، اور مشکوٰۃ والے نظروں میں ہلکے ہوتے ہیں، حالانکہ وہ تکوینیات ہیں، کسب اور فن ہے جس کے حصول میں اتنا کمال نہیں اور تشریعیات کا مقام یہ ہے کہ اگر پھٹے پرانے لباس والا پراگندہ بال اور پراگندہ حال شخص اللہ کا مقرب بندہ کسی بات پر قسم کھائے کہ ایسا ہوگا، تو خدا اسکی بات کو ضائع نہیں فرماتا، اسکی لاج رکھتا ہے اور قسم پوری کرانے کے لئے اس کی منشاء کے مطابق کام ہو جاتا ہے۔ رُبّ اشعثَ اغبرَ لو اقسمَ علی اللہ لابرّہٗ۔ اس شخص کو غیب کا علم نہیں ہوتا، مگر منہ سے بات نکلی تو خدا نے پوری فرما دی۔

یہ تشریعیات کا عالم اور شریعت پر عمل کرنے والوں کا ذکر ہے۔ تکوینیات والوں کا نہیں، تشریعیات کی وجہ سے جنت ملتی ہے، جہنم سے انسان بچ جاتا ہے۔ تو اس میں ہمارا حصہ رکھا ہمیں مکلف بنا دیا کہ تمہیں اس پر عمل کرنا ہے۔ اور فلاں باتوں سے بچنا ہے اور تکوینیات پر کچھ نہیں ملتا۔ بارش خدا نے برسائی تو ہمیں کیا اجر ملے ___ تو تشریعیات کو رفع درجات کا سبب بنا دیا اور خلاف ورزی و بے اعتنائی کو بربادی اور خسران کا ___

الغرض تکوینیات اور تشریعیات دونوں کا نظام اللہ ہی چلاتا ہے، مگر شریعت کی حفاظت

اور اشاعت میں بظاہر بندوں کو بھی مکلّف بنادیا، اسی سے ابتلاء ہوئی ورنہ درحقیقت اسلام کو اللہ ہی رکھے گا، بہت سے لوگ آئے اور اس حسرت میں مر کھپ گئے کہ اسے مٹادیں گے، مگر خود مٹ گئے اگر کسی کی خواہش نہ تھی کہ اسلام غالب ہو اس کا بول بالا ہو تو اللہ نے انہیں آپس میں ٹکرا دیا اور اس ٹکرانے میں اللہ کی بڑی حکمت ہوتی ہے۔

ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوٰت ومسجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا۔

ہم نے اس ملک میں بعض ایسی جماعتیں دیکھیں جو اسلام کا نام تک نہیں لینا چاہتی تھیں۔ قوم کو اور نظریات کی طرف دھکیلنا چاہتی تھیں۔ تو اللہ نے بظاہر سب کچھ انہیں دیا۔ سب کچھ ہاتھ میں آیا، صدر صاحب نے منت سماجت کی کہ آپس میں اتفاق کرکے سے لو مگر اسلام کے بارہ میں عزائم برے تھے، اللہ نے آپس میں ٹکرا دیا۔ اگر یہ لوگ برسر اقتدار آچکے ہوتے اور آپس میں نہ لڑتے تو پہلے ہی دن اسلام کو مٹانے کی سعی کرتے تو اللہ دکھاتا ہے کہ میں اپنے دین کو کیسے محفوظ رکھتا ہوں۔ اگر ہم جیسے دو چار افراد اسمبلی میں اسلام کے لئے چیخ رہے ہوتے مگر تین سو افراد میں ہماری کون سنتا۔ تو خدا نے ان سے یہ توفیق ہی سلب کرلی اور صدر صاحب نے اعلان کیا کہ آئین اسلامی ہوگا۔ اور سب کو ایسا سبق ہوا کہ آج اسلام کو معاذ اللہ اَن فِٹ سمجھنے والوں اور انگریزی سے سرشار دماغوں کا بھی یہی نعرہ ہے۔ کہ ہماری موجودہ مشکلات کا حل اگر ہے تو صرف اسلام میں ہے۔ مشرقی و مغربی صوبوں کے درمیان اگر کوئی رشتہ ہے تو اسلامی اخوّت ہی کا ہے۔ اگر اسلامی آئین احکام اور قانون ہوگا تو سب تسبیح کے دانوں کی طرح پروئے ہوں گے۔ نہ صرف ترک و ایران، افغان اور انڈونیشی بلکہ یورپ کے رہنے والے مسلمان سب ایک ہی مٹی اور ایک ہی جان ہوں گے۔ المومنون کجسد واحد۔ جیسے ایک بدن سے اس کا سر ناخن سے بہت دور ہے، مگر ناخن کی تکلیف سے سر بھی بے چین رہتا ہے۔

—— تو یہ کونسا رشتہ ہے۔؟ اور کس نے ہمیں ایک تسبیح میں پرو دیا ہے۔ یہ ہے اسلام۔ اللہ کا حکم ہے کہ اس رشتہ کو محفوظ رکھو ایک کی بیماری، عزّت اور غریبی سب کی بیماری اور عزّت یا غریبی ہونی چاہئے۔ حضورؐ نے اسلام کا دعویٰ کرنے والے ایک صحابی سے فرمایا۔ کہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے سے پہلے خوب سوچ لے کہ خود بھوکے رہو گے، دوسروں کو کھلاؤ گے خود ننگے رہ کر اوروں کو پہناؤ گے۔ الغرض اسلام نے تو یہ سبق دیا تھا۔ اگر یہ رشتہ

قائم اور تازہ رہتا تو یہ واقعات پیش نہ آتے، تو اللہ حکیم ہے، اپنے کام خوب سمجھتا ہے۔ مگر اس کا نتیجہ انشاءاللہ بہتر رہے گا۔ نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ اسلام پر اس سے سخت دور آئے ایک دور وہ بھی تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سارا عالم مخالف تھا حضورؐ اور ابوبکرؓ غار ثور میں چھپ گئے ہیں سب کفار مقابلہ کے لئے نکلے ہیں، تلاش میں ہیں قیافہ دان کافروں کا کہنا تھا کہ اسی غار میں ہیں، نقوشِ قدم یہاں تک آچکے ہیں، جوانوں نے کہا تمہارا دماغ خراب ہے، یہاں غار کے دہانے پر عنکبوت کا جالا تنا ہوا ہے۔ اور کبوتر انڈے سی رہا ہے اگر وہ دونوں اس میں داخل ہوئے ہوتے تو یہ چیزیں کیسی ہوتیں۔ تو اللہ نے عنکبوت کے تار سے ایٹم بم سے زیادہ کام لیا اور حضور اقدس و حضرت ابوبکرؓ کی حفاظت تو منبع اسلام کی حفاظت تھی اور پورا دین محفوظ رہ گیا۔ اور اللہ نے مکڑی کے جالے کو اسلام کا مضبوط قلعہ بنا دیا کسی کی اتنی ہمت نہیں ہوئی کہ ذرا گردن جھکا کر نیچے جھانک لیتا۔

ہجرت کی رات سارے راستوں کی ناکہ بندی ہوئی کہ حضورؐ نکلنے نہ پائیں، قبائل عرب ایک تو مذہبی دشمن تھے، پھر اس کے علاوہ ان کو سو سو اونٹوں کے انعام کا مژدہ بھی ملا تھا، مذہبی عناد کے ساتھ اتنا بڑا لالچ بھی جمع ہوا تھا مگر اللہ نے اسی موقعہ پر کیسا انتظام اپنے دین کی حفاظت کے لئے فرمایا۔ سراقہ بن مالک بھی جو اس وقت کافروں کا سرغنہ تھا، گھوڑے کو لیکر حضورؐ کی تلاش میں نکلا اور ایک راستہ میں حضورؐ کو آلیا۔ جب حضور کے نزدیک ہوا تو گھوڑے سمیت زمین میں دھنس گیا۔ ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے لگا کہ مجھے نکلوا دیں۔ میں اب سمجھ گیا۔ اس دفعہ معاف کردیں۔ حضورؐ نے دعا فرمائی، زمین سے نکل گئے۔ پھر دو سو اونٹوں کا ہوس غالب آیا جوش دنیا کے لالچ کا بیدار ہوا ارادہ برا ہوگیا، تو دوبارہ دھنس گئے، اسی طرح تین دفعہ معافی مانگی اور پھر عہد توڑتے اور پکڑے جاتے، تیسری بار عہد کیا اور ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی اور کہا کہ میری درخواست ہے کہ جب آپ کو غلبہ ملے گا تو مجھے ابھی سے امان دیدیں۔ اللہ کی شان قاتل اب معافی اور امن کا طالب ہے۔ اور یہ بھی کہا کہ اب آپ آرام سے مدینہ تک سفر جاری رکھیں اس راستے کی حفاظت میں کروں گا کہ کوئی اس راستہ سے آپ کی تلاش میں نہ آسکے ۔۔۔۔ اب ادھر ادھر دوڑ رہا ہے کسی کو دیکھتا تو ٹیک کر کہتا کہ جاؤ اور راستوں کو تلاش کرو، اس راستہ پر میں خود تلاش کر رہا ہوں۔

۔۔۔۔ تو دین کی حفاظت کافر سے ہو رہی ہے۔ ان اللہ لیؤید ہذا الدین بالرجل الفاجر۔

خواہ اس کے ارادے برے ہوں مگر اسے دین کی تقویت کا سبب بنا دیتا ہے۔ ایک شخص خیبر کے جہاد میں میدان میں آیا، ایک طرف بیٹھ گیا، جو بھی کافر الگ ہو کر اس کے پاس سے گذرتا اسے وہیں ختم کر دیتا۔ رات کو صحابہؓ کے درمیان گفتگو چھڑ گئی کہ آج کس کس نے کیا کیا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ سب نے اپنی رائے ظاہر کی۔ ایک صحابیؓ نے کہا کہ اصل کام تو فلاں شخص نے کیا ہے کہ تنہا ۲۵، ۳۰ کافر قتل کر ڈالے۔ حضورؐ نے سنا تو فرمایا کہ ٹھیک ہے مگر یہودیوں کا قاتل یہ شخص جہنمی ہے۔ صحابہؓ حیران رہ گئے کرید میں لگ گئے کہ وجہ کیا ہے۔؟ دوسرے تیسرے دن وہی شخص جنگ میں تیر کا نشانہ بنا، صحابہؓ دوڑ کر شہادت کا مژدہ اور مبارکباد دینے لگے اس نے کہا کہ مبارکباد کیسی؟ میری یہ بہادری اور جرأت شہادت کیلئے تو نہ تھی میں تو عورتوں کے طعنہ کی وجہ سے آیا کہ انہوں نے بزدلی کا طعنہ دیا تھا۔ پھر خود اپنے آپ کو نیزہ کی نوک پر گرا دیا، اور قاتل نفس بن کر دنیا سے چلا گیا۔ تو انجام اور خاتمہ ٹھیک نہیں تھا مگر اللہ نے اس کے ہاتھوں کئی کافروں کو قتل کرایا — تو اگر مسلمانوں نے دین کی خدمت چھوڑ دی تو اللہ سراقہ جیسے کافر اور خیبر کے منافق جیسے افراد سے دین کی تقویت کرے گا۔ اگر انہوں نے بھی نہ کیا تو جمادات، حیوانات اور دیگر عناصر سے کام لیں گے۔ کبوتر سے مکڑی اور اس کے جالے سے۔

الغرض خلافتِ راشدہ کا دور جو عدل و انصاف رشد و ہدایت اور ہر قسم کی برکات، فتوحات، اور اشاعتِ اسلام کا دور تھا۔ حضرت عمرؓ نے یہاں تک حکم نافذ کیا تھا کہ صرف وہ شخص دکانداری اور تجارت کر سکے گا جو فقہ اور احکامِ دین میں امتحان دیکر پاس ہو چکا ہو۔ گویا اس کے پاس مسائل حلال و حرام اور جائز و ناجائز سے خبرداری کی سند ہو — تو اس دور میں تو ہر دکان ایک چھوٹا سا مدرسہ بن چکا تھا۔ تجارت کے ساتھ قال اللہ اور قال الرسول کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ مگر اس کے بعد بنو امیہ کا دور آیا جس میں حجاج جیسے ظالم پیدا ہوئے، سخت مظالم ہوتے، لوگوں کے اموال چھینے جاتے اور امراء و حکام کے رحم و کرم پر سب کچھ تھا۔ مدارس بند ہو گئے۔ ایسے احکام اور احادیث جو حکومت کی پالیسی سے ٹکراتے تھے اس کی اشاعت کوئی نہ کر سکتا۔ حسن بصریؒ جیسے بزرگ جو تصوف کے چاروں سلسلوں کے امام ہیں حکومت کے ڈر سے روپوش ہو کر درس دیتے۔ وہ بھی اپنے ان خاص شاگردوں کو جن کے بارہ میں پورا اعتماد ہوتا۔ کسی نے کہا کہ حجاج کے بارہ میں بددعا کریں۔ فرمایا دیکھو اس کے بعد ایک زمانہ آنے والا ہے جو اس دور سے بھی خراب ہوگا، اس لئے اس کے بارہ میں بددعا نہ کراؤ، پھر اور بھی پچھتاؤ گے — میں خود حیران

رہتا کہ حجاج کا زمانہ کیسے بہتر تھا مگر اب معلوم ہوا کہ وہ خود ذاتی حیثیت سے تو ظالم تھا مگر دین کی دشمنی اور تحریف نہیں کرتا۔ دین کو بدلنا نہیں چاہتا۔ روزانہ خود قرآن کا درس دیتا، بڑی خدمت کی قرآن کی، عراق میں سنا کہ کراچی میں ہندوؤں نے مسلمان عورت کو چھین لیا ہے، اسلامی غیرت سے بے چین ہوئے۔ اپنے بھتیجے محمد بن قاسمؒ کو بھیجا اور تب جا کر دم لیا کہ عبرتناک سبق سکھایا۔ تو ان لوگوں میں جو کچھ بھی تھا، مگر دین کی تحریف کا جذبہ اور داعیہ تو نہیں تھا۔ اب تو جمہوریت جمہوریت کے نعروں میں سارے دین کو بدلنے اور اکثریت کی رائے کو شریعت پر مسلط کرنے کا دور آگیا ہے۔ اس لئے حسن بصریؒ نے فرمایا کہ آئندہ اس سے بھی بدتر دور آئے گا۔

الغرض اس دور میں خطرہ پیدا ہوا کہ اسلامی تعلیمات، اسلامی عدل و انصاف اور اسلام کا چراغ گل نہ ہو جائے تو رب العزت نے اسی خاندان بنو امیہ میں سے عمر بن عبدالعزیزؒ کو خلیفہ بنایا جو حضرت عمر فاروقؓ کے نواسے ہیں اور نانا کی حمیت اور غیرت فاروقی اپنے اندر رکھتے تھے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے یکلخت سب کچھ بدل دیا۔ اصلاح اپنے گھر سے شروع کی کابل تک بنو امیہ کی سلطنت تھی۔ مگر مملکت کے دو تہائی سے زائد زمین حکام اور امراء کے قبضہ میں چلی گئی تھی، آپ نے پہلے ہی دن خویش و اقارب کو جمع کیا اور ایسے تمام املاک کے ہبہ نامے اور رجسٹریاں پھاڑ دیں۔ اور کہا کہ تمہارے بزرگوں کو کن کارناموں کے عوض یہ جاگیریں ملی تھیں۔؟ پہلے اپنے الاٹمنٹ کے تمام کاغذات تلف کر دئے پھر سب کے۔ اپنی چہیتی بیوی جو عبدالملک کی بیٹی تھیں کے گلے سے لاکھوں روپے کا ہار اتروا کر بیت المال میں داخل کیا، اس نے کہا کہ یہ مجھے میرے والد نے دیا تھا فرمایا ٹھیک ہے مگر اس نے کہاں سے کمایا۔؟ بیوی نے فریاد کی کہ سب کچھ لے لو مگر میرے باپ کی اس نشانی کو مت لو، فرمایا یا تو اس نشانی کو چھوڑنا ہوگا ورنہ میری جدائی کیلئے تیار ہو جاؤ۔ اس نے ہار دے دیا ـــــ تو گھر سے اصلاح شروع فرمائی۔ پرانے ظالم امراء اور ان سے وابستہ تمام ملازمین کو تبدیل کر کے دیندار اور متقی افراد کو کلیدی عہدے دئے، ادھر مساجد مدارس میں علماء کو بٹھا کر دین کی درس و تدریس کا کام شروع کرایا۔ ابوبکر محمد بن حزم گورنر مدینہ کو احادیث کی جمع و تدوین کا حکم دیا عام طور سے لوگوں نے مرجئہ کے مذہب کے مطابق یہ سمجھ رکھا تھا کہ مسلمان ہونے کے لئے بس ایمان کا دعویٰ کافی ہے باقی جو کچھ مرضی ہو کرے۔ اسلام کا لیبل لگانے سے سب کچھ مل جائے گا، ان تمام علمی، عملی اور عقیدہ کی خرابیوں کی اصلاح عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمائی۔ اتنی احتیاط تھی کہ ایک شخص کو گورنری کا پروانہ جاری کیا مگر معلوم ہوا کہ یہ شخص حجاج کا رفیق

باقی صد ۱۳ پر

مولانا مفتی امجد العلی صاحب۔ کراچی
سابق مہتمم مطلع العلوم رامپور

# اعضاءِ انسانی
## سے
# پیوندکاری

قسط ——— ۲

۳۔ یہ کہ کیا انسان جسطرح کائنات کی تمام اشیاء و اجزا میں مالکانہ تصرف کا حق رکھتا ہے اسی طرح وہ اپنی جان و جسم میں بھی تصرف کرنیکا حق رکھتا ہے۔؟ اگرچہ ہمارے سابق بیان سے اس سلسلہ میں بھی واضح طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ تفصیلی طور پر مستقلاً اسکو بیان کردیا جائے۔ قرآن کریم میں اگرچہ اس مسئلہ میں کوئی ظاہر نص موجود نہیں۔ لیکن ایسی آیات جن سے دلالۃً و اقتضاءً ہمارا مقصد ثابت ہوتا ہے۔ موجود ہیں۔ سورۂ نساء آیت ۲۹ میں فرمایا گیا ہے ۔:

یاایھاالذین آمنوا لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم، ولا تقتلوا انفسکم ان اللّٰہ کان بکم رحیما، ومن یفعل ذلک عدوانًا وظلمًا فسوف نصلیہ نارًا وکان ذلک علی اللہ یسیرًا۔ یعنی اے ایمان والو! اپنے مالوں کو اپنے درمیان باطل طریقوں سے نہ کھاؤ الا یہ کہ بطریقۂ تجارت ہو جس میں تمہاری رضامندی موجود ہو، اور اپنی جانوں کو قتل نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحیم ہے، اور جس نے بھی اس امر ممنوع کا ارتکاب کیا حد سے تجاوز کر کے اور ظلم کر کے تو ہم اسکو عنقریب آگ میں داخل کریں گے۔ اور یہ سزا اللہ تعالیٰ کے لئے آسان ہے۔"

آیت مذکورہ کو ہم نے اس کے ابتدائی حصّہ کے ساتھ نقل کردیا ہے کیونکہ اگر ہم محض اس جملے کو نقل کردیتے کہ: لاتقتلوا انفسکم۔ تو ممکن تھا کہ ناظرین مضمون ہذا قرآن کریم سے تصدیق کے موقعہ پر اس جملہ سے قبل تجارت کا ذکر مطالعہ کر کے یہ سوال اٹھاتے کہ یہ جملہ صرف مالوں کو باطل طریقہ سے کھا جانے کی حرمت کے متعلق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ بتایا ہے کہ مسلمان کا مال دوسرے مسلمان کیلئے باطل طریقہ سے کھا جانا قتل نفس کے مترادف ہے۔ اس سے خود اپنی ذات

میں انسان کے تصرّف کا حرام و ممنوع ہونا کہاں ثابت ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ جب اس آیت سے یہ ظاہر ہے کہ انسانوں کیلئے ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ پر کھا لینا ایسا ہی ہے جیسا کہ نفس کو قتل کر دینا۔ تو اس سے دلالۃً یہ بھی ثابت ہوا کہ جان کا ہلاک کرنا حرام ہے۔ پھر آیت کا سباق کلام اس انداز پر ہے کہ جس کے معنی واضح یہ ہوتے ہیں کہ تم اپنے نفس کو خود ہلاکت میں نہ ڈالو، جس کا اقتضاء یہ ہے کہ دوسرے نفس کو قتل کرنا ایسا ہے جیسے اپنا نفس قتل کرنا۔ اور اپنے نفس کو قتل کرنا ضائع کرنا حرام ہے۔ لہذا دوسرے پر قتل کی دست اندازی اسی طرح حرام ہے۔

دوم یہ کہ آئمہ مفسرین نے لاتقتلوا انفسکم۔ کے عام معنی بھی مراد لئے ہیں۔ باطل طریقے پر ایک دوسرے کے مالوں کو کھا جانے کے ساتھ مخصوص نہیں کیا ہے۔ تفسیر بیضاوی میں علامہ بیضاوی نے فرمایا ہے: ولا تقتلوا انفسکم۔ بالبخع کما تفعله جهلة الهند او بالقاء النفس الى التهلكة ------ او بارتكاب ما يؤدي الى قتلها، او باقتراف ما يذللها ويرديها فانه قتل حقيقي للنفس[۲]۔ یعنی اپنی جانوں کو (ستی) کے طریقہ سے ہلاک نہ کرو جیسا کہ بعض ہندو جاہل کرتے ہیں۔ یا یہ کہ اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو، یا ایسے امور کا ارتکاب نہ کرو جو جان کو ہلاکت کے قریب کر دینے والے ہوں یا ایسے امور کا ارتکاب نہ کرو جو تمہاری ذلّت نفس و ضرر کا سبب ہوتے ہوں، کیونکہ ایسے امور کا ارتکاب بھی اپنے نفس کو حقیقی معنی میں قتل کر دینے کے مترادف ہے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خودکشی کے حرام ہونے اور اس کے ارتکاب پر جو احادیث مروی ہیں وہ حقیقت میں ایسی آیات ہی کی تفسیر ہیں۔ علامہ علاؤ الدین بن علی المشہور بالخازن المتوفی ۷۲۵ھ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اس کے تحت خودکشی کی احادیث بھی روایت کی ہیں۔ فرمایا ہے: وقیل معناه ولا تهلكوا انفسكم بان تعملوا عملاً ربما ادى الى قتلها۔ یعنی ایسا عمل اختیار کر کے جو نفس کی ہلاکت کا سبب ہو اپنے نفسوں کو ہلاک نہ کرو۔

اس عبارت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند احادیث نقل کی ہیں جن کے منجملہ یہ حدیث ہے۔ عن ابی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من تردى من جبل فقتل نفسه فهو فی نار جهنم يتردى فيها خالداً مخلداً فيها ابداً، ومن تحسى سماً فقتل نفسه فسمه فی يده يتحساه فی نار جهنم خالداً مخلداً فيها ابداً، ومن قتل نفسه بحديدة فحديدته فی يده يتوجأ بها فی بطنه فی نار جهنم خالداً مخلداً فيها ابداً۔ یعنی جس شخص نے پہاڑ کی بلندی سے اپنے آپ کو گرا کر ہلاک کیا وہ جہنم کی آگ میں

---

۲ بیضاوی ج ۱ ص ۱۸۴

اپنے آپ کو ہمیشہ ہمیش پہاڑ کی بلندی سے گراتا رہے گا، اور جس شخص نے زہر کھا کر اپنے آپکو قتل کیا وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیش اپنے ہاتھ میں زہر لئے ابد تک پیتا رہے گا۔ اور جس شخص نے کسی لوہے کے ہتھیار سے ہلاک کیا ہمیشہ ہمیش جہنم کی آگ میں اُس ہتھیار کو اپنے پیٹ میں مار کر ابد تک (مرتا) رہے گا۔

ایک دوسری روایت میں ہے: عن جندب رضی اللّٰہ عنہ عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: کَانَ بِرَجُلٍ جراح فقتل نفسہ فقال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ بدرنی عبدی بنفسہ حرمت علیہ الجنۃ۔ یعنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص زخمی ہوگیا (زخم کی تاب نہ لاکر) اس نے اپنے آپ کو قتل کر دیا، اللّٰہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا میرے بندے میرے مقابلہ میں جان دینے کی جلدی کی لہذا میں نے اس پر جنّت کو حرام کر دیا۔[۳۳]

آیت مسطورہ بالا اور احادیث واقوال مفسّرین سے یہ واضح ہوگیا کہ جسطرح ایک انسان دوسرے انسان کے مال پر باطل طریقے سے دست اندازی کا حق نہیں رکھتا اسی طرح اسکو اپنے جسم وجان پر بھی دست اندازی اور ایسے تصرف کا حق حاصل نہیں ہے جو اس کی ذلت وتحقیر وعدم احترام کا سبب ہو۔

اس مقام پر یہ اعتراض واقع ہوتا ہے کہ مذکورہ بیان سے محض یہ امر ثابت ہوا کہ انسان اپنی ذات پر مجرمانہ شکل میں تصرف نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ سوال اپنی جگہ اب بھی قائم رہا کہ جب انسان قدرتی طور پر فوت ہوگیا ہو تو کیا ایسی صورت میں اس کے جسمانی اعضاء کو کسی دوسرے انسان کیلئے شرعاً استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں۔ یا یہ کہ جب کوئی انسان قریب المرگ ہو اور اپنے جسم سے بے نیاز ہو جانے کے بعد وہ کسی دوسرے شخص کے حق میں اپنے کسی عضو کے استعمال کی وصیّت کر دے یا اجازت دیدے تو اس کا یہ عمل جائز ہوگا یا نہیں۔؟ خصوصاً جبکہ وصیّت کی صورت میں اسکی نیّت دوسرے اپنے بنی نوع کیلئے احسان اور سلوک کی بھی ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس مخلوق کو اللّٰہ تعالیٰ نے وہ شرافت وعظمت عطا فرمائی ہو جسکو ہم نے سطور بالا میں بیان کیا، اور جسکو اپنی نیابت کا اعزاز عطا کیا ہو کائنات میں مالکانہ تصرفات کا حق دیا ہو وہ بذاتہ ہر وقت وہر حالت میں اس شرف واحترام کی مستحق رہے گی۔ کسی دوسرے شخص کو اس مخلوق کی بغیر اجازت یا با اجازت اس کے کسی حصّہ جسم کو استعمال کرنا جائز نہ ہوگا۔ اور اسکو محل صرف سمجھ لینا بھی اس کی تذلیل کا باعث ہوگا۔

---

۳۳ تفسیر خازن مطبوعہ مصر جلد ۱ ص ۵۱۳

باقی رہا یہ امر کہ وصیّت کی حالت میں اس کا حسنِ نیّت اس کے عمل وصیّت کے جواز کا سبب قرار دیا جائے تو ظاہر ہے کہ جو عمل شرع نے حرام قرار دیا ہو کسی شخص کا حسنِ نیت اس کی حرمت کو حلت سے تبدیل نہیں کر سکتا۔ مثلاً ایک شخص کیلئے شرع نے شراب پینا اور اس کی خرید و فروخت کرنا حرام قرار دیا ہے۔ اگر کوئی مسلم اس نیّت سے کہ شراب کی تجارت بڑے منافع کا باعث ہو رہی ہے اسکی تجارت سے میں جو نفع حاصل کروں گا اگرچہ وہ بذاتِ خود میرے لئے حرام ہوگا لیکن اس کو میں اپنی مسلم قوم کے غرباء و مساکین کی حاجت میں صرف کروں گا، یا ان کے درمیان تقسیم کر دیا کروں گا۔ شراب کی تجارت اس مسلم کیلئے حلال نہیں ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر اسی قسم کی نیّت سے سود یا رشوت کا معاملہ شروع کر دے تو یہ معاملہ حرام سے حلال کی طرف رجوع نہیں کریگا۔ چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو اس کی جسم و جان کا مالک نہیں بنایا ہے۔ اس لئے وہ اس میں کسی قسم کا مالکانہ تصرف نہیں کر سکتا۔ نیز یہ کہ عقد وصیّت کیلئے یہ شرط ہے کہ جس شئے کی وصیّت کی جا رہی ہے وہ وصیّت کرنے والے کی مملوکہ ہو۔ لیکن انسان کے اپنے اعضاء اسکی ملکیت نہیں ہیں جنکی وصیّت صحیح ہو سکے۔ بلکہ عاریت کا مال ہے جس کا اصل مالک خالق کائنات ہے۔ کائنات کی دیگر اشیاء کی مثل خالقِ کائنات نے انسان کو انسان کی اپنی ذات میں ملکیت مجازی کا حق بھی نہیں عطا فرمایا ہے۔

چنانچہ انسان جسطرح اشیاء کائنات کے مالکِ مجازی ہونے کی حیثیت سے اپنی حیات میں محترم و معزز ہے اسی طرح بعد موت بھی محترم ہے۔ اس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے، جس کو سلیمان بن بریدہ نے اپنے والد حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا امّر امیراً علی جیش او سریۃ اوصاہ فی خاصتہ، بتقوی اللہ ومن معہ من المسلمین خیراً، ثم قال اغزوا بسم اللہ فی سبیل اللہ قاتلوا من کفر باللہ، اغزوا فلا تغلّوا ولا تغدروا ولا تمثلوا۔ الخ یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کو کسی لشکر کا یا کسی فوجی دستہ کا امیر مقرّر فرما کر روانہ فرماتے اس کو اس شخص کی اپنی نفس کے حق میں خصوصی طور پر یہ وصیّت فرماتے کہ وہ خدا سے ڈرتا رہے۔ اور اپنے مسلم ہمراہیوں سے بہتر طور پر پیش آتا رہے۔ پھر فرماتے اللہ تعالیٰ کا نام لیکر اللہ کے راستہ میں جہاد کرو جو لوگ اللہ کے ساتھ کفر اختیار کر رہے ہوں، ان سے جنگ کرو، جنگ کرو لیکن مالِ غنیمت میں خیانت نہ کرنا، اور غداری نہ کرنا، مثلہ نہ بنانا۔ (مشکوۃ مطبوعہ اصح المطابع کراچی صہ ۳۴۱ کتاب الجہاد۔ بحوالہ مسلم)

مذکورہ حدیث سے جسطرح اعضاء انسانی کو اس کے جسم سے علیحدہ کر کے اسکی شکل و صورت

کا بگاڑ ممنوع قرار پاتا ہے، اسی طرح یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خواہ یہ میّت کسی کافر ہی کی کیوں نہ ہو اس کے ساتھ بھی یہ فعل ممنوع ہے۔ کیونکہ یہ انسانیت کے احترام و اکرام کے خلاف ہے، لہذا اس مقام پر یہ اعتراض بھی نہیں کیا جاسکتا کہ شرع میں مُثلہ کرنا اس لئے ممنوع قرار دیا گیا ہے کہ اس سے مقتول کی تحقیر مقصود ہوتی تھی اور کسی مسلمان کی تحقیر کسی طرح بھی جائز نہیں۔ اس بناء پر اگر اعضاء کی قطع و برید اس نیت و مقصد سے ہو کہ ان سے کسی زندہ انسان کو فائدہ پہنچایا جائے تو مُثلہ کرنا ممنوع نہ ہوگا۔ کیونکہ اگر مُثلہ کرنے کی علت صرف تحقیر ہوتی تو پھر ایک مسلم کا غالب آکر کافر کو قتل کر کے مثلہ بنا دینا ممنوع نہ ہوتا بلکہ مقاتلین و معاندین کی عبرت کا سبب ہوتا۔ اسی وجہ سے آئمہ احناف نے کافر کی میّت کے مُثلہ کرنے کو بھی حرام قرار دیا ہے۔

نیز ایک دوسری حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے: اِنَّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال۔ کسر عظم المیت ککسرہ حیًا۔ یعنی میّت کی ہڈی کا توڑنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی زندہ انسان کی ہڈی کو توڑا جائے۔[۵] اسی حدیث کی شرح میں علی قاری نے مشکوٰۃ کی شرح مرقاۃ میں ابن ابی شیبہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بھی نقل کی ہے۔ اذی المؤمن فی موتہ کاذاہ فی حیاتہ۔ موت کے بعد کسی مومن کو اذیت پہنچانا ایسا ہی ہے جیسا کہ حیات میں اس کو اذیت پہنچائی جائے اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہے کہ مرنے کے بعد بھی میّت کو اس کے اعضاء کی قطع و برید سے اسی طرح اذیت پہنچتی ہے جس طرح زندگی کی حالت میں اذیت پہنچتی ہے۔

چنانچہ امت کے آئمہ و فقہاء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے ہی ارشادات کے پیش نظر فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات انسانیت کے احترام و اکرام کی بنا پر ہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے سیر کبیر میں فرمایا ہے: احترام الانسانیت والفضیلۃ فی اثناء الحروب وعلی ذالک لا یصح لقائد ولا لمقاتل ان یمثل باحد من القتلیٰ او یشوہ عضوًا من اعضائہ بالمثلۃ فی حال حیاتہ او بعد وفاتہ فقد قال علیہ السلام: ایاکم والمثلۃ۔ یعنی انسانیت کے احترام و فضیلت کے پیش نظر دوران جنگ امیر لشکر یا کسی مجاہد سپاہی کیلئے مقتول کافر کا مثلہ کرنا" اس کے اعضا کو جُدا جُدا کرنا جائز نہیں۔ نہ یہ اس کی زندگی میں کیا جاسکتا ہے۔ اور نہ مرنے کے بعد، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "مثلہ کرنے سے اپنے آپکو دور رکھو۔"

---

[۵] مشکوٰۃ مطبوعہ اصح المطابع کراچی صـ ۱۴۹ - بحوالہ مسلم -

خصوصاً جبکہ کوئی شخص اسلام کی نعمت سے سرفراز ہو اس کے اعضاء جسم کی قطع و برید تو بڑی بات ہے اس کے ساتھ تو اس سے کم درجہ کا ایسا عمل جو کہ اسکی تحقیر و تذلیل یا اذیت کا باعث ہو اختیار کرنا بھی شرعاً حرام ہوگا۔ چنانچہ اگر کوئی مسلم کافروں کے ہاتھ مغلوب ہو کر قید ہو جائے تو یہ اس کافر کا غلام نہ متصور ہوگا۔ بلکہ مسلمانوں کے امیر یا عام مسلمانوں پہ فرض ہوگا کہ اس کو کافر کے ہاتھوں سے آزاد کرائیں۔ امام شمس الائمہ سرخسی نے شرح سیر کبیر میں کہا ہے: ثم المسلم مصون عن اذلال الکافر ایاہ شرعاً وفی تبدیل صفۃ المالکیۃ بالمملوکیۃ اذلال وفی استخدامہ قہراً واستدامۃ الملک فیہ اذلال ایضاً، فیصان المسلم عن ذلک بان یجبر الکافر علی بیعہ۔ الخ[۵]

فقہاء امت نے انسان کے اعزاز و احترام کے پیش نظر اس امر کی تصریح کی ہے کہ انسان بجمیع اجزاء اپنی حیات اور بعد وفات ہر دو حالتوں میں عزت و احترام کا مستحق ہے۔ مبتذل (قابل صرف) اشیاء میں اس کا شمار کر لینا جائز نہیں ہے۔ اس کے جسم کے کسی عضو یا حصہ کو اسطرح استعمال نہیں کیا جا سکتا جسطرح اُن اشیاء کو استعمال کیا جا سکتا ہے جو اس کے استعمال کیلئے پیدا کی گئی ہیں۔ در مختار میں کہا گیا ہے: وشعر الانسان لکرامۃ الآدمی ولو کافراً ذکرہ المصنف وغیرہ فی بحث شعر الخنزیر۔ قولہ ذکرہ المصنف۔ حیث قال: والآدمی مکرم شرعاً وان کان کافراً فایراد العقد علیہ وابتذالہ بہ والحاقہ بالجمادات اذلال لہ ای وہو غیر جائز وبعضہ فی حکمہ وصرح فی فتح القدیر ببطلانہ۔ الخ یعنی انسان کے بالوں کی خرید و فروخت کرنا استعمال میں لانا جائز نہیں ہے، کیونکہ آدمی بحیثیت آدمی مکرم ہے خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ مصنف وغیرہ نے خنزیر کے بالوں کی بحث میں ذکر کیا ہے، کہا ہے کہ آدمی شرعاً مکرم ہے خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، لہذا اس کی ذات پر بیع کا معاملہ کرنا اور اسطرح اس کو دیگر اشیاء میں شامل کر لینا کہ اسکو محل تصرف بنا لیا جائے یہ اسکی تذلیل ہوگی اور یہ امر جائز نہ ہوگا، آدمی کا جُز اس کے کل کے حکم میں ہے۔ فتح القدیر میں ایسے عقد کے باطل ہونے کی صراحت کر دی گئی ہے۔ اس مقام پر صاحب رد المحتار علامہ ابن عابدین نے ایک اشکال وارد کرتے ہوئے اس کا جواب بھی پیش کیا ہے: فرمایا ہے کہ: فتح القدیر میں جہاں انسان کے اجزاء یا کل انسان کی خرید و فروخت کے معاملے کو باطل کہا گیا ہے، وہاں یہ بھی تو کہا گیا ہے کہ ایک دار کفر کے رہنے والے کافر کو غلام

---

[۵] شرح سیر کبیر مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۳۰۵

بنالیا، اسکی خرید و فروخت جائز ہے۔ اگر وہ غلام بنا لینے کے بعد اسلام بھی لے آیا ہو تب بھی غلام ہی رہے گا۔ (ایسی صورت میں یہ کہنا کسطرح صحیح ہوگا کہ آدمی مکرم و محترم ہے، اسکو کسی عقد کا محل تصور کرلینا اسکی تذلیل ہوگی۔) جواباً فرمایا ہے کہ مذکورہ مسئلہ میں بیع کا محل اس کافر کی نفس حیوانی ہے جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی الوھیت و واحدانیت کا انکار صادر ہو رہا ہے۔ اور ہمارے موجودہ مسئلہ میں انسان کے جسم اور اس کے اعضاء سے گفتگو کی جارہی ہے۔

چنانچہ انسان کی تخلیقی شکل وصورت اور ھیئت کا بگاڑنا یا اس کے اجزا کو بھیڑ بکری یا دیگر اشیاء صرف کی طرح استعمال کرنا حرام وممنوع ہوگا۔ اسی بناء پر یہ جائز نہیں ہے کہ ایک آقا اپنی لونڈی (کنیز) کا دودھ فروخت کرے (حالانکہ کنیز اسکی مملوکہ ہوتی ہے، یہ مملوکیت درحقیقت حکمی ہے۔ یعنی شرع نے حکماً اسکو مملوکہ قرار دیا ہے۔)

انسانی اعضاء کے استعمال کے متعلق شرح سیر کبیر میں کہا گیا ہے: والآدمی محترم بعد موتہ علی ما کان علیہ فی حیاتہ، فکما لا یجوز التداوی بشئ من الآدمی الحی اکراماً لہ فکذلک لا یجوز التداوی بعظم المیت۔ یعنی آدمی اپنی موت کے بعد بھی اتنا ہی محترم ہے جتنا کہ وہ اپنی حیات میں محترم تھا۔ لہٰذا جسطرح ایک زندہ انسان کی کسی شئے سے معالجہ کرنا اس لئے جائز نہیں ہے کہ وہ مکرم ہے اسی طرح میت کی ہڈی سے بھی معالجہ جائز نہیں[1]

صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے: لا یجوز بیع شعر الانسان ولا الانتفاع بہ لان الآدمی مکرم لا مبتذل فلا یجوز ان یکون شیئاً من اجزائہ مہاناً مبتذلاً۔ اسی مقام کی عبارت مذکورہ کی شرح میں صاحب عنایہ نے تحریر فرمایا ہے: وجعلہ الآدمی لکرامتہ لئلا یتجاسر الناس علی من کرمہ اللہ بابتذال اجزائہ۔ یعنی انسان کے بالوں کو فروخت کرنا جائز نہیں اور نہ اُن سے کسی قسم کا استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ آدمی مکرم ہے ذلیل (قابل صرف اشیاء میں سے) نہیں ہے، لہٰذا یہ جائز نہ ہوگا کہ اس کے اجزاء میں سے کسی جزء کی اہانت کی جائے اور اسکو صرف میں لایا جائے[2] عنایہ شرح ہدایہ میں اسی مقام پر لکھا ہے کہ انسان کی کھال کا حکم بھی یہی ہے۔ اس کی کرامت کی بنا پر۔ تاکہ لوگ یہ جرأت نہ کرسکیں کہ جس ذات کو اللہ تعالیٰ نے مکرم بنایا ہے اُس کے اجزاء کو صرف میں لاکر اسکی تذلیل کریں۔

---

[1] شرح سیر کبیر جلد ۱ ص ۳۰۳ مطبوعہ مصر ۱۳۳۵ھ۔

[2] فتح القدیر مطبوعہ مصر جلد ۱ ص ۴۵۔

فتاویٰ عالم گیری میں ہے: مضطر لم یجد میتۃ وخاف الھلاک فقال لہ رجل اقطع یدی وکلھا لا یسعہ ان یفعل ذلک ولا یصح امرہٗ بہ کما لا یسع للمضطر ان یقطع قطعۃ من نفسہ فیاکل کذا فی فتاویٰ قاضیخان۔ یعنی ایک مضطر شخص کو اضطرار کی حالت میں مردار میسّر نہ آسکا اور اس کو اپنی ہلاکت کا خوف ہے اس سے ایک شخص نے کہا کہ میرا ہاتھ کاٹ کر کھا لے۔ تو مضطر کیلئے اس کی اجازت نہ ہوگی کہ ایسا کرے اور کہنے والے کا وہ قول بھی جائز نہ ہوگا۔ جس طرح کہ مضطر کو یہ اجازت نہیں کہ اپنے جسم کا کوئی حصّہ کاٹ کر کھائے[۹] ایسا ہی فتاویٰ ہزاریہ اور خلاصۃ الفتاویٰ میں بھی بیان کیا گیا ہے[۱۰]

مذکورۂ صدر فقہی روایات سے یہ واضح طور پر ثابت ہے کہ انسان کے اعضاء جسم کی حرمت انسان سے خارج دیگر اشیاء کی طرح نجاست کی بنا پر نہیں دوسرے الفاظ میں میت کے درجہ میں ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ اس کے اعزاز و احترام کی بنا پر ہے۔

اس مقام پر ایک بحث یہ بھی پیدا ہوسکتی ہے کہ جن اشیاء کو شرع نے انسان کیلئے حرام قرار دیا ہے۔ اگر انسانی اعضاء کا ہم ان محرمات اشیاء میں شامل ہونا تسلیم کرلیں تب بھی اضطرار کی صورت میں استعمال میں لانے کی اجازت شرعاً موجود ہے، چنانچہ خنزیر، شراب، خون، شرعاً حرام ہیں، لیکن مخمصہ (اضطرار) کی حالت میں بقدر رمق (ضرورتِ زندگی) شرع نے ان کے استعمال کرلینے کی اجازت دی ہے۔ قرآن کریم میں ارشادِ خداوندی ہے: فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ (البقرہ)۔ اور فرمایا ہے۔ فمن اضطر فی مخمصۃ غیر متجانف لاثم فان اللہ غفور رحیم۔ (مائدہ) یعنی جو شخص اضطرار کی حالت کو پہنچ جائے، شرع کی بغاوت و اس کی حدود سے تجاوز کرنے کی نیت نہ ہو تو جان جانے کے خطرے میں وہ ان محرمات کا استعمال کرسکتا ہے۔

چنانچہ اسی بنیاد پر فقہاء احناف و دیگر آئمہ نے امراض کے معالجہ کے سلسلہ میں خون اور پیشاب و مردار کا استعمال جائز قرار دیا ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ یجوز للعلیل شرب الدم والبول واکل المیتۃ للتداوی اذا اخبرہ طبیب ان شفائہ فیہ ولم یجد من المباح ما یقوم مقامہ اھ یعنی مریض کیلئے خون یا پیشاب کا پینا، مردار کا کھانا اسوقت جائز ہوگا جبکہ کوئی طبیب اس سے یہ کہے کہ ان اشیاء کے علاوہ اس کے مرض کی شفا کسی دوسری مباح دوا میں نہیں ہے[۱۱] الاشباہ والنظائر

---

[۹] فتاویٰ عالم گیری جلد ۴ ص ۱۰۳ مطبوعہ دیوبند انڈیا۔　[۱۰] برحاشیہ فتاویٰ ہندیہ مطبوعہ مصر جلد ۶ ص ۳۳

[۱۱] فتاویٰ عالم گیری جلد ۴ ص ۳ مطبوعہ دیوبند۔

میں اس قاعدے کے تحت۔ الضرورات تبیح المحظورات۔ بیان کیا گیا ہے۔ ومن ثم جاز اکل المیتۃ عند المخمصۃ واساغۃ اللقمۃ بالخمر والتلفظ بکلمۃ الکفر للاکراہ وکذا اتلاف مال غیرہ۔ یعنی اس اصول کی بناء پر کہ ضرورتیں ممنوعات شرعیہ کو مباح کر دیتی ہیں۔ اضطرار کی حالت میں مردار کا کھا لینا اور لقمہ کا شراب کے ذریعہ حلق سے اتار لینا۔ جبر کے موقعہ پر کلمۂ کفر کا زبان سے ادا کر دینا، اسی طرح غیر کے مال کو تلف کر دینا جائز ہوگا۔[۱۲] اسی قسم کی دیگر روایات بھی کتب فقہ میں موجود ہیں۔ لہذا انسانی اعضاء کی حرمت کے باوجود اگر بحالت ضرورت استعمال کر لینے کی اجازت دی جائے تو یہ روایات فقہ کے عین مطابق عمل ہوگا۔

اس بحث کا یہ جواب ہوگا کہ شریعت اسلامیہ میں حصول منفعت کے حالات کے پانچ درجے مقرر کئے گئے ہیں۔ ۱۔ ضرورت جسکو قرآن کریم نے اضطرار کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ ۲۔ حاجت۔ ۳۔ منفعت۔ ۴۔ زینت۔ ۵۔ فضول۔

۱۔ ضرورت یا اضطرار اس حالت کو کہتے ہیں کہ انسان کو اپنی ہلاکت کا خطرہ ہو۔ ایسی حالت میں حرام چیز کا استعمال چند شرائط کیساتھ جائز ہوگا۔ اوّل یہ کہ حرام کے استعمال نہ کرنے میں جان کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اس خطرے کی بنیاد وہم پر نہ ہو بلکہ عادۃً یقین کے درجہ تک پہنچ گیا ہو۔ تیسرے یہ کہ کسی طبیب حاذق کی نظر میں اس حرام کے ماسوا کسی حلال میں شفا کی کوئی صورت نظر نہ آتی ہو۔ اور حرام کے استعمال میں شفا یقینی ہو۔ چہارم یہ کہ محض اس حد تک استعمال ہو جس حد تک خطرہ دفع ہو سکے اس سے تجاوز نہ کیا گیا ہو۔

مذکورہ صدر شرائط خود قرآن کریم کی آیات ہی سے مستفاد ہیں۔ اور اس کے باوجود بعض حالتیں ایسی ہیں کہ ان کو اضطرار و ضرورت موجود ہونے کے باوجود اضطرار کے حکم سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے، مثلاً ایک شخص کسی کو مجبور کرے کہ وہ فلاں شخص کو قتل کر دے ورنہ خود اسکو قتل کر دیا جائیگا اور مجبور یہ یقین رکھتا ہے کہ جبر کرنے والا اس کے قتل کرنے پر قادر ہے تو اس صورت میں مجبور کو یہ اجازت نہیں ہوگی کہ وہ دوسرے کو قتل کر دے۔

۲۔ حاجت کا یہ معنی ہے کہ اگر ممنوع چیز کو استعمال نہ کیا گیا تو جان کا خطرہ تو نہیں البتہ تکلیف و مشقت شدید اٹھانا پڑے گی۔ اس حالت میں قرآن کریم کا وہ حکم جو ضرورت و اضطرار کی حالت میں دیا گیا ہے، نہیں ہے، البتہ عبادات وغیرہ میں اس حالت کے پیش نظر کچھ سہولتیں و رخصتیں

---

[۱۲] الاشباہ والنظائر، ابن نجیم، ص ۱۰۸ مطبوعہ نولکشور انڈیا۔

عطا فرمائی گئی ہیں۔ لیکن حرام کو مباح نہیں کیا گیا ہے۔

۳۔ منفعت کی حالت کے یہ معنی ہیں کہ کسی چیز کے استعمال سے انسان کو فائدہ تو حاصل ہو، لیکن ترک کر دینے میں ہلاکت یا تکلیف و مشقت کا خطرہ نہ ہو۔ مثلاً بہتر قسم کے کھانے مقوی غذائیں وغیرہ۔ ایسی حالت میں صرف مباح کا استعمال ہی کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ زینت۔ جو محض تفریح و زیبائش کے لئے اختیار کیا جائے۔

۵۔ فضول۔ جو محض ہوا و ہوس پر مبنی ہو جو کہ مباح کے درجہ سے بھی خارج ہو کر اسراف میں شمار ہو۔[۱۳]

مذکورہ صدر آخری تمام حالتوں میں کسی حرام کے استعمال کی شرعاً اجازت نہ ہوگی۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ انسانی مردہ اعضاء کو کسی انسان کی پیوند کاری میں استعمال کرنا ضرورت و اضطراری صورت میں داخل نہیں۔ البتہ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ صدر تفصیل سے صرف یہ ثابت ہوا کہ انسان کے ہاتھ پاؤں یا دیگر اعضاء سے پیوند کاری اضطراری حالت میں داخل نہیں کیونکہ وہ دوسرا انسان جس کے ان اعضاء کا پیوند لگایا جائے گا۔ بغیر اس پیوند کاری کے بھی زندہ رہ سکتا ہے۔ صرف یہ ہوگا کہ اسکی زندگی میں اس کو کچھ مشقت و کلفت برداشت کرتے رہنا ہوگا، چنانچہ یہ حاجت کے درجہ میں شامل ہے جس میں حرام حلال نہیں ہوا کرتا۔ لیکن انسان کے اعضاء رئیسہ جن پر انسانی حیات کا مدار ہے مثلاً قلب یا گردے وغیرہ تو جبکہ ان کی پیوند کاری کسی دوسرے انسان کی زندگی قائم رہنے کا باعث ہو تو یہ شکل اضطرار میں داخل ہو جاتی ہے۔ اور اس صورت میں اس کے جواز کا قائل ہونا چاہئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس پیوند کاری کے آپریشن میں کوئی ڈاکٹر (طبیب) یہ قطعی دعویٰ سے نہیں کہہ سکتا کہ اس کو اس پیوند کاری میں یقیناً کامیابی ہوگی بلکہ یہ ایک احتمالی امر ہے اور احتمالی حالت پر اضطرار کا حکم نہیں ہوا کرتا۔ نیز یہ کہ اگر ہم اس حالت کو اضطراری حالت قرار دیں اور یہ بھی تسلیم کر لیں کہ ظن غالب بھی ہوتا ہے کہ اس حاجت مند انسان کی زندگی خطرے سے باہر ہو جائے گی تب بھی انسانی اعضاء رئیسہ کی پیوند کاری حرام ہی رہے گی۔ اس لئے کہ انسان کے جسم کا ہر حصہ قابلِ احترام و اکرام ہے۔ جسکی بنا پر شریعت نے اس کے استعمال کو ممنوع قرار دیا ہے۔ بخلاف دیگر مردار جانوروں کی حلت کے ان کی ممانعت و حرمت ان کی نجاست کی بنا پر تھی جسکو

---

[۱۳] حموی شرح اشباہ والنظائر

بحالت اضطرار مباح کا درجہ دیدیا گیا۔ جیسا کہ ہم اپنے سابق بیان میں اسکی وضاحت کر چکے ہیں۔

ہمارا مذکورۂ صدر بیان فقہاء احناف کے نقطۂ نظر سے تھا۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم دیگر ائمہ و شیعی نقطۂ نظر کے متعلق بھی کچھ تفصیل بیان کر دیں۔

فقہائے شافعیہ نے اضطرار کی حالت میں مردہ انسان کا گوشت استعمال کرنے کو جائز کہا ہے۔ چنانچہ فقہ شافعی کی کتاب المہذب میں کہا گیا ہے: ان اضطر و وجد آدمیاً میتاً جاز لہ اکلہ لان حرمۃ الحی آکد من حرمۃ المیت وان وجد مرتداً او من وجب قتلہ فی الزنا جاز لہ ان یأکلہ لان قتلہ مستحق۔ اگر کوئی شخص اضطرار کی حالت کو پہنچ گیا ہو اور اسکو مردہ انسان میسّر آجائے تو وہ اسکو کھا سکتا ہے۔ اس لئے کہ زندہ انسان کی حرمت ایک مردہ کے مقابلہ میں زیادہ اہم ہے۔ اور اگر کوئی ایسا شخص مل جاتا ہے جس کا قتل (شرعاً) واجب ہو گیا ہے تو اسکو (قتل کر کے) کھا لینا بھی جائز ہے[۱۴]۔

اسی مذکورہ کتاب میں اس کے بعد کہا ہے: وان اضطر ولم یجد شیئاً فهل یجوز لہ ان یقطع شیئاً من بدنہ ویأکلہ فیہ وجهان قال ابو اسحٰق یجوز لانہ احیاء نفس لعضو فجاز کما یجوز ان یقطع عضواً اذا وقعت فیہ الآکلۃ لاحیاء نفسہ ومن اصحابنا من قال لا یجوز لانہ اذا قطع عضواً منہ کان المخافۃ علیہ اکثر۔ یعنی اگر کوئی شخص اضطرار کی حالت میں دوسرا کوئی (حرام) نہ پاتا ہو سوائے اپنے جسم کے، تو اس کے لئے جائز ہے کہ اپنے جسم کا کوئی حصّہ کاٹ کر کھالے یہ قول فقہا شافعیہ سے ابو اسحاق کا ہے۔ دیگر اصحاب شافعیہ نے فرمایا ہے کہ یہ عمل جائز نہ ہوگا اس لئے کہ جب اپنے جسم کا کوئی حصّہ کاٹا جائے گا تو یہ اُس مضطر کے لئے زیادہ خطرے کا باعث ہو جائے گا۔

حنبلی فقہا نے فرمایا ہے کہ حالت اضطرار میں جب کسی مضطر کو کسی ایسے انسان کے علاوہ جو شرعاً واجب القتل ہو جیسا کہ دار کفر کا غیر مسلم یا زانی محصن اپنی زندگی بچانے کے لئے کچھ میسر نہ آئے تو اس کے لئے اُس انسان کا گوشت کھالینا مباح ہوگا، لیکن اگر کوئی میت ملتی ہو تو اس صورت میں فقہاء حنبلیہ کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ مباح ہوگا، دوسرا یہ کہ مباح نہ ہوگا۔ چنانچہ فقہ حنبلی کی کتاب المحرر میں ہے۔ ومن لم یجد الا آدمیا مباح دمہ کحربی وزان محصن حل قتلہ واکلہ وان کان میتاً معصوماً فوجهان۔[۱۵]

---

[۱۴] المہذب جلد ۱ ص ۲۵۸ مطبوعہ مصر۔ [۱۵] المحرر جلد ۲ ص ۱۹۰ مطبوعہ مصر ۱۹۵۰ء

شیعہ امامیہ کے فقہاء نے بھی اسی قسم کی رائے کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ کہا ہے کہ "جب کوئی شخص اضطرار کی حالت کو پہنچ گیا ہو اور اسکو سوائے مردہ انسان کے اور کوئی چیز اپنی زندگی قائم رکھنے کے لئے میسّر نہ آئے تو اس کے لئے اپنی بھوک رفع کرنے کی حد تک اس مردہ انسان کا گوشت کھالینا جائز ہوگا۔ لیکن اگر کوئی زندہ معصوم انسان ہے تو جائز نہ ہوگا، البتہ اگر کسی انسان کا خون شرعاً حلال قرار پاگیا ہو تو اس انسان سے اتنی مقدار حلال ہوگی جو کسی مردار سے حلال ہوتی ہے۔ اور اگر کسی مضطر کو اپنی ذات کے علاوہ کچھ میسّر نہیں آتا۔ بعض شیعی علماء نے کہا ہے کہ اپنے جسم کے پُر گوشت مقامات سے بسدِّ رمق گوشت کاٹ کر کھالینا جائز ہوگا، لیکن یہ قول قابل اعتبار نہیں۔ کیونکہ یہ ایک ضرر کا دوسرا ضرر اختیار کرکے دفع کرنا ہوگا، جو صحیح نہ ہوگا۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ جب کسی انسان کے جسم میں ایسا زخم پیدا ہو جائے جسکو آکلہ کہتے ہیں تو اس کو اس عضو کے کاٹ دینے کی اجازت ہے۔ اس قیاس پر اپنے جسم کا کوئی حصّہ کاٹ کر کھالینا بھی جائز ہونا چاہئے۔ تو یاد رہے کہ اس مسئلے پر مضطر کو قیاس کرلینا صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ آکلہ کی صورت میں عضو کو کاٹ دینا اس بنا پر جائز قرار دیا گیا تھا کہ وہ باقی جسم پر اثر انداز ہو جاتا۔ لیکن ہمارے اس مسئلہ میں اثر پیدا کر دینا لازم آتا ہے نہ کہ اس کا دفع کرنا۔ چنانچہ علامہ الحلی نے اپنی مشہور کتاب شرائع الاسلام فقہ شیعی میں لکھا ہے: واذا لم یجد المضطر الاآدمیّا میتا حل لہٗ امساك الرمق من لحمہ ولوکان حیّا محقون الدم لم یحل ..... ولوکان مباح الدم حل لہٗ منہ ما یحل من المیتۃ ..... ولولم یجد المضطر ما یمسك رمقہ سوٰی نفسہ قیل ..... یأکل من مواضع اللحمۃ کالفخذ ولیس شیئاً اذ فیہ دفع الضرر بالضرر ولاکذٰلك جواز قطع الآکلۃ لان الجواز ھناك انما ھو لقطع السرایۃ وھھنا احداث السرایۃ۔ [۱۶]

مالکیہ وشافعیہ وحنبلیہ فقہاء اہل سنّت کی مذکورہ بالا روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک اضطرار کی حالت میں ایک مضطر کیلئے انسانی جسم سے اپنی بقاء حیات کیلئے استفادہ جائز ہے، لیکن بغیر حالتِ اضطرار ضرورت کے دیگر حالات مذکورہ یعنی حاجت، منفعت، زینت کے تحت انتفاع جائز نہ ہوگا۔ اسی سے شیعہ امامیہ نے بھی اتفاق کیا ہے جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا گیا۔

مذکورہ صدر تفصیلات کے بعد یہ سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ اگرچہ حنفی فقہاء کے نزدیک

---

[۱۶] شرائع الاسلام جلد ۲ ص ۱۳۹، مطبوعہ بیروت۔

کسی حالت میں کسی طرح انسان کے کسی جزء سے منفعت حاصل کرنے کی اجازت نہیں ملتی۔ لیکن اہل سنت کے آئمہ ثلاثہ اور شیعہ کے نقطۂ نظر کو اگر اپنے زمانہ میں اپنا لیا جائے۔ تو موجودہ معاشرے اور اس کے ترقی پذیر حالات کے پیش نظر صحیح و جائز ہوگا۔ کیونکہ یہ مسئلہ ابتلاء عامہ سے متعلق ہے۔ اور ابتلاء عامہ کو ملحوظ رکھنا اسکی بناء پر جواز کا قول اختیار کرنا حنفی فقہاء کی تصریحات سے بھی ثابت ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس محل پر جبکہ ہم تمام فقہاء اہل سنت کے اقوال کو تفصیلی شکل میں پیش کر چکے ہیں۔ ہمارے ذمہ یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم یہ غور کریں کہ کس مکتبۂ فکر کا قول کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہے۔ اور جو قول جس مذہب کا قریب تر ہو اسی کو اختیار کریں۔ چنانچہ علماء اصول فقہ نے کسی قول کو کسی دوسرے پر ترجیح دینے یا مسائل کا استخراج کرنے میں بھی اصول مقرر کیا ہے کہ جب کسی ایک مسئلے کے حکم میں فقہاء کے اقوال مختلف ہوں تو وہ قول جو کتاب اللہ وسنت سے زیادہ قریب اور ان سے ثابت شدہ نظائر سے زیادہ مشابہ ہو اختیار کیا جائے۔ جیساکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو سپردگی قضاء کے وقت اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا تھا، علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں بھی لکھا ہے:

ثم نظرنا فی طرق استدلال الصحابة والسلف بالکتاب والسنة فاذاهم یقیسون الاشباه بالاشباه منهما ویناظرون الامثال بالامثال باجماع منهم وتسلیم بعضهم لبعض فی ذلک فان کثیرا من الوقعات بعده صلوات اللہ علیه لم تندرج فی النصوص الثابتة فقاسوها بما ثبت والحقوها بما نص علیه بشروط من ذلک الالحاق تصحیح تلک المساوات بین الشبیهین او المثلین حتی یغلب علی الظن ان حکم اللہ تعالیٰ فیهما واحد - الخ (مقدمہ ابن خلدون مطبوعہ مصر ۱۳۱۸ء)

چنانچہ اس مقام پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم یہ غور کریں کہ کس مسلک و مذہب کا نقطۂ نظر کتاب اللہ وسنت سے زیادہ قریب ہے یا ان دونوں سے جو مسائل مستخرج ہیں، ان میں سے کس سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔

اگر آپ ہمارے مضمون ہذا کے ابتدائی حصہ کو دوبارہ ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو واضح ہو جائے گا کہ کتاب اللہ اور سنت سے زیادہ تر قریب فقہاء احناف کا قول ہے۔ (باقی آئندہ)

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں
بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

سفرِ افغانستان کے چند پراگندہ نقوش

ایڈیٹر کے قلم سے

# محمود غزنویؒ کے دیس میں

## بلخ کے کھنڈرات یا علم و حکمت کے دفینے

آج ۲۲ر جون ۱۹۷۱ء ہے اور عالمِ اسلام کے بطلِ جلیل مجاہد اعظم سلطان محمود غزنویؒ کے شہر میں جانے کا پروگرام ہے۔ غیور مسلمانوں کی سرزمین افغانستان میں ہماری آمد کا دسواں دن ہے۔ برادرِ محترم قاری سعید الرحمان صاحب راولپنڈی بھی اس سفر کے ساتھی ہیں ــــ بابر اور ابدالی کے دیس، مجاہدِ اسلام محمود غزنویؒ کے وطن افغانستان کی زیارت کی دیرینہ آرزو تھی۔ ہمارے پڑوس کے یہ مغربی خطے کبھی ہمارے میراثِ علم و حکمت کے علمبردار و امین تھے۔ دین و دانش کی شعاعیں ادھر ہی سے مشرق کو مالامال کرتی تھیں۔ پھر غلام ہندوستان کے زمانہ میں بھی یہی خطّہ اور غیورّ افغانوں کا چھوٹا سا ملک حرّیت اور جہادِ آزادی کا مدرسہ بنا ہوا تھا۔ اور گویا ایشیا کا یہ بلجیم کمزور قوموں کی قوتوں کا معیار اور اپنی آزادی کا آپ محافظ رہا۔ یہ جیالے افغانوں کا وطن ہے، جنہوں نے عظیم برٹش امپائر کے استعماری عزائم کو مدتوں خاک میں ملائے رکھا۔ جہاں خلافتِ راشدہ کے ابتدائی ادوار ہی میں اسلام کا نور پہنچا اور بحیثیت قوم پوری ملّتِ افغانیہ نے اسلام کو لبیک کہا۔ مغرب پورے جاہ و جلال کے ساتھ بھی اسے غلام نہ بنا سکا اور ایک عرصہ تک مغربیت کی پوری زور آزمائی کے باوجود اسلامی شریعت کی روح یہاں کارفرما رہی۔ مگر آج کا افغانستان اتنے ہی جوش اور ولولہ سے مغرب کی مادہ پرست تہذیب سے بغلگیر ہو رہا ہے، اور مشرقی یورپ کے راستہ سے آئی ہوئی مغربیت گویا اپنی سحر کاریوں میں دو آتشہ ثابت ہو رہی ہے۔ مغرب سے مقابلہ آسان تھا مگر مغربیت عالمِ اسلام کیلئے اس دور کا سب سے بڑا فتنہ ثابت ہوا۔ کس کی تاب تھی کہ اس کی چکا چوند کے سامنے ٹھہر سکتا۔ اور ایسا کیوں نہ ہو قیامت سے پہلے اس تہذیب ہی کی کوکھ سے نکلنے والا فتنہ دجّال ہی تو ہو گا جو پورے عالمِ اسلام کو دامِ تزویر میں لے لیگا ــــ پچھلے دس دنوں میں ہم نے کابل اور اس کے گرد و نواح میں بہت کچھ دیکھا۔ شمال

مغرب میں سینکڑوں میل دور ترکستان جانا ہوا۔ مزار شریف (جو حضرت شاہ ولایتماٰب علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ، کو منسوب ہے) کی زیارت ہوئی۔ اور اس سے ذرا دور روسی سرحد کے سایہ میں وہ ویرانہ بھی دیکھا جو کبھی بلخ کے نام سے عالم اسلام کا مرکزِ علم و سیاست بنا ہوا تھا۔ جہاں سے علم و حکمت کے چشمے پھوٹ کر عالم اسلام کے دل و دماغ کی حیات نو کا ذریعہ بنتے تھے۔ اس کے جنوب میں دریائے آمو (جیحون) واقع ہے۔ اس علاقہ میں آریائی تہذیب و تمدن پروان چڑھی، زردشت کی مذہبی آتش پرستی نے یہاں رواج پایا، اور اُس دور کا سب سے بڑا آتشکدہ یہیں بنایا گیا۔ تاریخ کے ہر دور میں بلخ نے اپنے اثرات چھوڑے اور بلخ، باکتر، بان، بخدی، باخز، بلھیکا، باخل، پاییک، بلخ بامی، زر اسپ اسی کے مختلف نام رہے پھر عہد فاروقی میں اسلامی افواج کی ترک تازیوں کا مرکز بنا۔ خراسان کے یہی خطے تھے جو حضرت فاروق اعظم کے زمانہ ۲۳ھ / ۶۴۴ء میں ان کے بھیجے ہوئے ایک سالار حضرت احنف ابن قیس اور ان کے جانباز ساتھیوں ربعی بن عامر التیمی، عبداللہ بن ابی عقیل الثقفی، ابن ام غزال الہمدانی جیسے بہادر شاہ سواروں کی آماجگاہ بنے۔ شہنشاہِ فارس یزدگرد جو بلخ میں پناہ لئے ہوئے تھا یہیں سے خائب و خاسر ہو کر دریائے جیحون کے راستہ خاقان کی حکومت میں بھاگ نکلا اور حضورؐ کے ایک بہادر سپاہی حضرت احنف کے ہاتھوں نیشاپور سے طخارستان تک اسلام کا علم لہرانے لگا۔ یہیں حضرت احنف کے ۲۴ ہزار سر بکف مجاہدین نے خاقان کے عزائم خاک میں ملا دئے تھے اور اسے شکستِ فاش اٹھانی پڑی۔ قلمرو اسلام میں آنے کے بعد بلخ سامانی، غزنوی، سلجوقی اور صفاری سلاطین کی توجہات کا مرکز اور لبا اوقات پایۂ تخت رہا اور ایک زمانہ ایسا آیا کہ اس شہر میں ایک ہزار دینی دارالعلوم بارہ سو جامع مسجدیں اور بارہ سو حمام آباد تھے۔ علم و ہنر سیاست و حکمت، طب و فلسفہ۔ ادب و تصوف میں نابغۂ روزگار شخصیتیں ان خطوں نے اسلام کو دیں۔ اللہ کی طرف سے عیش و عشرت میں ڈوبی ہوئی قوموں کے لئے جو تازیانے سزا ہیں وقفہ وقفہ سے وہ بھی برستے رہے اور بلخ بائیس ۲۲ مرتبہ بہت بڑی تباہی اور تخریب کا نشانہ بنا۔ یہاں تک کہ ۱۲۲۰ء مطابق ۶۱۷ھ میں چنگیز خاں کی فوجیں آئیں اور وحشت و بربریت میں تمام بربادیوں کو مات کر گئیں۔ آج یہ شہر مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ مگر اس کے اُس پار بخارا اور سمرقند، خوارزم اور فرغانہ اس دور کی سرخ چنگیزیت کے پنجۂ غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں۔

الغرض بلخ قبۃ الاسلام اور ام البلاد نے اسلام کے عہد عروج میں ایک مثالی کردار ادا کیا اس سرزمین کے کنارے دریائے آمو (جیحون) بہتا ہے جو آج اس سرخ چنگیزیت کے سامنے

سراب کی مانند ایک لکیر بنی ہوئی ہے اور اس سے ذرا دور ہٹ کر وہ دریا بہتا ہے جس کا کبھی ماوراء النہر کے نام سے پوری اسلامی دنیا کے علم و حکمت کے ایوانوں میں غلغلہ رہا ہے۔ یہاں کے علماء اور فقہاء اپنی فقاہت و حکمت اور علمی تبحر کے لحاظ سے عالم اسلام کیلئے ایک ممتاز مکتب فکر بن گئے تھے۔

اب ذرا چشم تصور سے دریا کے اس پار نگاہ دوڑائیے وہ سامنے بخارا اور سمرقند ہے امام بخاریؒ کا مدفن جن کی کتاب بخاری مسلمانوں کے ہاں اللہ کی کتاب کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔ امام ترمذی کی بستیاں صاحب ہدایہؒ ان علاقوں ہی میں فقہ کے دریا لنڈھاتے تھے۔ یہاں سے حدیث اور فقہ کو تازگی اور زندگی ملتی رہی۔ آج بھی ہماری گردنیں جن کے احسانات میں دبی ہوئی ہیں۔ ہم نے جو کچھ پایا ان ہی علاقوں سے۔ یہ اسلام کے امین تھے مگر آہ! اب وہاں کیا ہے۔؟ اپنے جلیل القدر امام بخاری کا مدفن، ترمذی کا مولد اور صاحب ہدایہ کا منشاء شاید وہاں کے باسیوں میں سے بھی کسی کو معلوم نہیں ہم پردیسیوں کے تو وہاں نزدیک جانے سے بھی پر جل جائیں گے۔ وتلک الایام نداولھابین الناس۔

—— ترمذ کے کھنڈرات پر کھڑے ہو کر خوب آنسو بہائے اور سرخ سرحد کے اس پار اپنی عظمتوں کے مزار پر ایک نگاہ حسرت ڈالئے، وہ دیکھئے آج بخاری اور ترمذی کی سعید روحیں کتنی بے چین ہیں، انکی نوجوان نسلوں کو شاید اسلام سے اتنا تعلق ہو کہ ہمارے آباء و اجداد مسلمان کہلاتے تھے۔ بڑے بوڑھے اپنے ایمان کی دولت بچانے کی خاطر سب کچھ لٹ لٹا کر دوسرے ملکوں میں پناہ گزین ہو گئے۔ اور زیادہ تر روسی استبداد کا نشانہ بن گئے —— صد حیف کہ کیسی کیسی متاع بے بہا ہمارے ہاتھوں شامت اعمال کی وجہ سے لٹ گئی —— اور سرحد کے اس پار یہ بلخ ہے، یہ بھی تو اس وقت عہد ماضی کا ایک شکستہ ساز رہ گیا ہے۔ یہاں کے باسیوں میں سے اکثر کو معلوم ہی نہیں کہ آج بھی اس کے گرد و اگرد اور اہم چوکوں کے قریب علم و حکمت کے کیسے کیسے خزانے مدفون ہیں۔ کبھی یہاں کے طاق و ایوان قال اللہ اور قال الرسول سے گونجتے تھے۔ اور اب زوال پذیر قوموں کی طرح اونگھتے ہوئے اپنی عظمت سے بے فکر باشندوں کی پناہ گاہیں بنی ہیں۔ کبھی ہر گلی مدرسہ تھا اور ہر گھر خانقاہ اولیاء کا ہجوم اور ائمہ عصر اساطین علم و فقہ کا اژدحام۔ اور آج نہ کوئی مدرسہ ہے نہ خانقاہ، نہ کوئی عالم معلوم نہ کسی استاد کا چرچا۔ اس لئے حال کی تلاش سے کیا فائدہ، ماضی کے تجسس میں نکل جائیے قلب و نظر کی تسکین کا کچھ سامان شکستہ کھنڈرات ہی سے مل سکے گا۔ ماضی سے کٹے ہوئے حال نے تو بدحالی کے یہ دن دکھائے —— تو دیکھیے وہ شیخ الاسلام سلطان احمد خضرویہؒ کی ٹوٹی پھوٹی قبر ہے جو ۲۴۰ھ میں ابراہیم ادھم، بایزید بسطامی اور امام حاتم اصم کے معاصر تھے، تصوف اور معرفت کی کتابیں انکے

باقی صہ ۴۹ پر

سائنس کی دنیا — جناب مظفر عباسی ایم۔ اے (بری)

قسط ۔ ۲

السیر بین السیارات

# سائنس کی خلائی فتوحات

اب تک کی معروضات کا خلاصہ یہ ہے :

۱۔ زمین گول ہے۔
۲۔ زمین میں کشش کی قوت پائی جاتی ہے۔
۳۔ زمین کے گرد چند میل موٹا ہوا کا غلاف ہے۔
۴۔ ہوا سے اوپر کی فضا خلا کہلاتی ہے۔
۵۔ ہر مادی چیز میں قوت کشش پائی جاتی ہے۔
۶۔ مرکز کے گرد گھومنے والی ہر مادی چیز میں قوت فرار پیدا ہو جاتی ہے۔
۷۔ قوت کشش مادے کی مقدار کے کم یا زیادہ ہونے کے ساتھ ساتھ علی الترتیب کم اور زیادہ ہوتی رہتی ہے۔
۸۔ قوت کشش فاصلے کی کمی پر زیادہ اور فاصلے میں اضافے پر کم ہو جاتی ہے۔
۹۔ قوت فرار گردش کی رفتار کے کم یا زیادہ ہونے کے ساتھ ساتھ علی الترتیب کم اور زیادہ ہوتی رہتی ہے۔
۱۰۔ جمود کا قانون مسلمہ حقیقت ہے۔
۱۱۔ رد عمل کا قانون بھی سائنس دانوں کے نزدیک ثابت شدہ امر ہے۔

مذکورہ بالا امور کی ضروری وضاحت کے بعد اب ہم اصل موضوع یعنی خلائی سفر کی طرف آتے ہیں ـــــ

راکٹ | خلائی پرواز میں ہوائی جہاز کام نہیں آتا۔ اس لئے کہ ہوائی جہاز ہوا کے سہارے

اڑتا ہے اور خلا میں ہوا یا کسی دوسری گیس کا وجود ہی نہیں۔ اس لئے خلائی سفر میں راکٹ استعمال کیا جاتا ہے۔ راکٹ ایک ایسی مشین ہے، جو "قانونِ ردِ عمل" سے پیدا ہونے والی قوت سے چلتی ہے۔ اور اس کے لئے ہوا یا کسی دوسرے سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

آپ ایک انچ قطر والی فولادی نالی کا ایک فٹ لمبا ٹکڑا لیں۔ اس کا ایک سرا مضبوطی سے بند کر دیں اور دوسرے سرے سے اس میں بارود بھر دیں۔ بس راکٹ تیار ہو گیا۔ آپ اپنے بنائے ہوئے اس راکٹ کو میز پر رکھ دیں اور خود ایک طرف کھڑے ہو کر بارود کو آگ لگا دیں۔ آگ لگتے ہی بارود نالی سے خارج ہونا شروع ہو جائے گا۔ اور جس تیزی قوت اور شدت کے ساتھ بارود خارج ہو رہا ہوگا اسی تیزی قوت اور شدت کے ساتھ نالی بارود کے خارج ہونے کی مخالف سمت میں حرکت شروع کر دے گی۔ اسی نالی میں بارود کی جگہ کوئی دوسرا مناسب ایندھن بھر دیا جائے جو خاصی دیر تک جل کر خارج ہوتا رہے تو ظاہر ہے نالی بھی اتنی ہی دیر تک متحرک رہ سکے گی۔ اور یہ نالی صحیح معنوں میں راکٹ کہلائے گی ـــ خلائی سفر کا آغاز ایسے ہی راکٹ کے ذریعہ ہوتا ہے۔

راکٹ کے زمین سے اٹھنے اور خاصی بلندی تک جانے کی راہ میں تین چیزیں حائل ہوتی ہیں:-

۱۔ راکٹ کا وزن ۲۔ زمین کی قوتِ کشش ۳۔ ہوا کی مزاحمت

راکٹ کی پرواز میں حائل ہونے والی ان تین رکاوٹوں پر قابو پانے کیلئے سائنس دانوں نے مرکب راکٹ تیار کیا ہے۔ یہ راکٹ تین یا چار راکٹوں کو اوپر نیچے جوڑ کر بنایا جاتا ہے۔ انہیں اس انداز سے جوڑا جاتا ہے کہ جب نچلے راکٹ کا ایندھن ختم ہو جاتا ہے تو یہ حصہ خود بخود الگ ہو جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی اس سے اوپر والے راکٹ کا انجن کام شروع کر دیتا ہے۔ اور معین بلندی پر پہنچنے کے بعد جب اس دوسرے راکٹ کا ایندھن ختم ہو جاتا ہے اور اس کا انجن کام کرنا چھوڑ دیتا ہے تو یہ بھی پہلے راکٹ کی طرح الگ ہو جاتا ہے اور تیسرے راکٹ کا انجن حرکت میں آجاتا ہے ـــ

غرض مرکب راکٹ کے کئی حصے ہوتے ہیں اور یکے بعد دیگرے کام کرتے ہیں اور جو حصہ اپنا کام کر چکتا ہے وہ باقیوں سے الگ ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بالاترین حصہ رہ جاتا ہے جو مطلوبہ بلندی تک جاتا ہے۔

مرکب راکٹ کی مثال | فرض کریں ایک مرکب راکٹ کے تین حصے ہیں۔ الف ۔ ب ، اور ج ۔ الف سب سے نچلا حصہ ہے اس کا ایندھن سمیت کل وزن ایک سو من ہے۔ درمیانی حصے ب کا وزن پچاس من اور بالاترین ج کا وزن پچیس من ہے۔ اس مرکب راکٹ کا کل وزن ایندھن سمیت ۱۷۵ من ہوگا اور جب سب سے نچلے راکٹ الف کا انجن کام شروع کرے گا اور مرکب راکٹ کے تینوں حصے عمودی پرواز شروع کریں گے تو مرکب راکٹ ایک سو پچھتر من وزنی زمین سے اوپر اٹھے گا۔ اس وقت مادے کی مقدار کی کثرت اور زمین سے فاصلے کی کمی کے باعث راکٹ اور زمین دونوں کی قوت کشش پرواز کی راہ میں زبردست رکاوٹ ہوگی۔ مزید برآں زمین کے نزدیک ہوا زیادہ گہری اور وزنی ہونے کے باعث یہ بھی راکٹ کو اوپر جانے سے روکے گی۔ ان حالات میں راکٹ بمشکل دو میل کی بلندی تک جا سکے گا۔

دو میل کی بلندی پر نچلے الف راکٹ کا ایندھن ختم ہو جانے کے باعث اس کا انجن کام چھوڑ دے گا۔ اور درمیانی راکٹ کام شروع کر دے گا اور نچلا راکٹ خود بخود الگ ہو جائے گا اس طرح راکٹ کے وزن میں سو من کی کمی آجائے گی، دوسری طرف زمین اور راکٹ کے درمیان فاصلہ زیادہ ہو جائے گا۔ ان دونوں باتوں کے نتیجے میں قوت کشش کم ہو جائے گی۔ نیز دو میل کی بلندی پر ہوا بھی کم ہوگی اس طرح درمیانی راکٹ کے کام کے آغاز کے وقت پرواز کی راہ میں حائل ہونے والے تینوں امور (وزن، کشش، اور ہوا کی مزاحمت) میں خاصی کمی واقع ہو جائے گی۔ اس لئے اب مرکب راکٹ کا باقی ماندہ حصہ کم و بیش بیس میل کی بلندی تک چلا جائے گا۔ وہاں جا کر درمیانی راکٹ ب حسب سابق الف راکٹ کی طرح الگ ہو جائے گا۔ جس سے وزن میں مزید پچاس من کی کمی اور فاصلے میں اٹھارہ میل کا اضافہ قوت کشش کو مزید کم کر دے گا اور ہوا کی مزاحمت نہ ہونے کے برابر رہ جائے گی۔ ان حالات میں تیسرا راکٹ بآسانی دو سو میل کی بلندی تک پہنچ جائے گا۔

خلائی سفر میں استعمال ہونے والا مرکب راکٹ مثال میں بیان کئے گئے راکٹ کی طرح کام کرتا ہے اس کے بالاترین راکٹ کے اوپر کے سرے پر مصنوعی سیارہ ہوتا ہے جسے آخری راکٹ کی خود کار مشین سائنس دانوں کے پروگرام کے مطابق زمین کے افقی کناروں کی طرف ایک زبردست دھکے کے ساتھ اڑا دیتی ہے۔ عام طور پر اس سیارے کی رفتار اٹھارہ ہزار میل فی گھنٹہ سے کم نہیں ہوتی۔ جب سیارہ زمین کے افقی کنارے کی طرف آگے بڑھنے لگتا ہے تو زمین کی کشش

سے اپنی طرف کھینچنا شروع کر دیتی ہے اور اس طرح سیارہ بجائے خط مستقیم میں افق کی طرف آگے بڑھنے کے زمین کی طرف جھک جاتا ہے۔ زمین کی طرف جھکنے اور افق کی سمت آگے بڑھنے کی دو رفتاریں اس نسبت سے مل جاتی ہیں کہ جتنی دیر میں سیّارہ تین انچ زمین کی طرف جھکتا ہے۔ اتنی دیر میں ایک میل افق کی طرف آگے نکل جاتا ہے چونکہ زمین کی گولائی ایک میل میں تین انچ ہے۔ اس لئے سیّارہ زمین کی طرف تین انچ جھک جانے کے باوجود ایک میل کے فاصلے پر زمین سے اتنا ہی دور رہتا ہے جتنا شروع میں دور ہوتا ہے۔

زمین کی کشش مصنوعی سیّارے کو زمین کے قریب لانے کی کوشش کرتی ہے اور فرار کی قوت اسے زمین سے دور رکھتی ہے اس طرح کشش اور فرار کی قوتیں ایک دوسری کے اثر کو زائل کر دیتی ہیں۔

**گردش** مصنوعی سیّارہ زمین کے گرد گردش کرتا ہے۔ ذیل کے خاکے سے اس گردش کے اصول اور طریقِ کار کی وضاحت ہو جاتی ہے۔
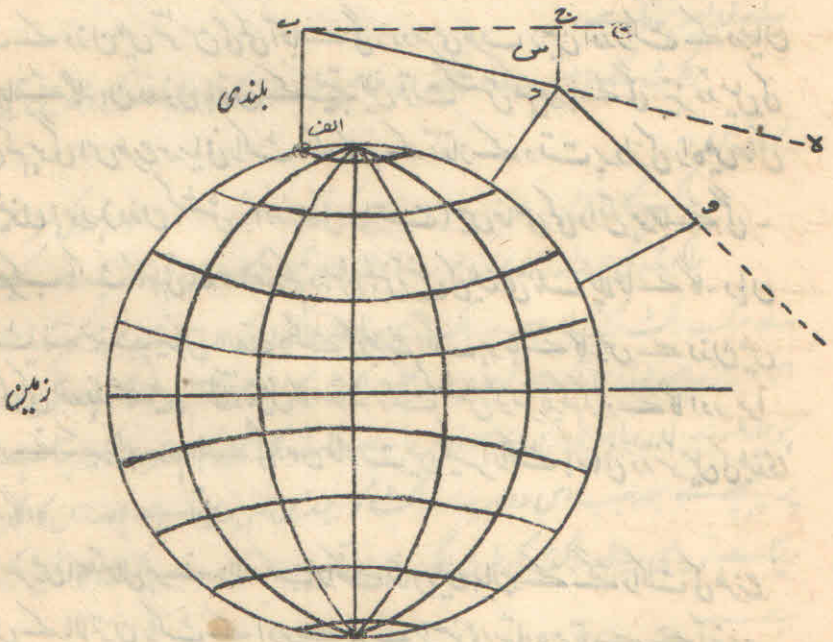
زمین کے الف مقام سے مصنوعی سیّارہ مرکب راکٹ کے ذریعے ب بلندی پر بھیجا گیا۔ ب مقام پر مرکب راکٹ کے بالاترین حصّے کا ایندھن ختم ہو گیا تو خود کار مشین نے مصنوعی سیّارے

کو ج مقام کی طرف پھینک دیا۔ سیارہ جمود کے قانون کے مطابق ج مقام کی طرف آگے بڑھنے لگا۔ ظاہر ہے کہ ب مقام کی نسبت ج مقام زمین سے زیادہ بلند ہے۔ اور اگر سیارہ ج مقام پہ پہنچ جاتا ہے تو زمین سے اس کی بلندی میں اضافہ ہو جاتا ہے لیکن زمین کی قوت کشش سیارے کو کھینچ کر د مقام پہ لے آتی ہے اور د مقام کی بلندی ب مقام کی بلندی کے برابر ہے۔ اس طرح سیارہ ج مقام کی طرف حرکت کے باوجود زمین سے دور نہیں جا سکتا۔ د مقام پہ پہنچ کر سیارے کا رُخ ہ مقام کی طرف ہوتا ہے۔ لیکن زمین کی کشش اسے کھینچ کر و مقام پہ لے آتی ہے۔ اور بلندی میں اضافہ نہیں ہونے دیتی۔ اسی سلسلے کو جاری رکھیں تو آپ دیکھیں گے کہ مصنوعی سیارہ زمین کے گرد پورا چکر لگائے گا اور واپس ب مقام پہ پہنچ جائے گا۔ یہاں سے پھر اس کا رُخ ج مقام کی طرف ہوگا اور زمین کی کشش اسے د مقام پہ لے آئے گی۔

سائنس والوں کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے سیارے کو اس مخصوص رفتار سے ب مقام پہ چھوڑا ہے کہ جتنی دیر میں سیارہ ج مقام کی طرف ایک میل آگے بڑھتا ہے اتنی دیر میں زمین کی کشش اسے تین انچ نیچے د مقام کی طرف کھینچ لیتی ہے۔ اس طرح مصنوعی سیارہ زمین کے گرد ایک مخصوص دائرے میں گردش کرنے لگ جاتا ہے۔ اس کی رفتار میں کمی نہیں آتی۔ اس لئے کہ ب مقام کی بلندی پہ یا اس سے اوپر فضا میں کوئی ایسی چیز (ہوا وغیرہ) نہیں جو سیارے کی رفتار میں کمی کا باعث بن سکے۔ جمود کے قانون میں اس امر کی وضاحت ہو چکی ہے کہ کسی متحرک جسم کو ساکن کرنے کیلئے قوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اس قسم کی قوت یہاں موجود نہیں البتہ سیارے کو خطِ مستقیم میں حرکت سے روک کر دائرے میں لانے والی ایک قوت موجود ہے۔ (زمین کی قوتِ کشش) اس لئے سیارہ بجائے ج اور ہ وغیرہ مقامات کی طرف سیدھا جانے کے اور د اور و وغیرہ مقامات کی طرف مڑ جاتا ہے۔

**چاند کی طرف** اوپر کی وضاحت کے پیشِ نظر غور فرمائیں کہ سیارہ ب مقام سے ج کی سمت جب آگے بڑھتا ہے تو اس کا زمین سے فاصلہ زیادہ ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن جتنی دیر میں سیارہ ج مقام پہ پہنچتا ہے اتنی دیر میں زمین کی کشش اسے د مقام پہ لے آتی ہے اور اس طرح سیارے کا زمین سے فاصلہ اتنا ہی رہتا ہے جتنا ب مقام سے آغازِ حرکت کے وقت تھا۔ اب فرض کریں سیارے کی رفتار اٹھارہ ہزار میل فی گھنٹہ سے بڑھ کر ۲۱ یا ۲۵ ہزار میل فی گھنٹہ ہے۔ اس رفتار سے سیارہ ب سے حرکت کا آغاز کر کے ج مقام تک جلد پہنچ جائے گا۔

اور اتنی دیر میں زمین کی کشش اسے ت مقام تک لائے گی، اس لئے کہ زمین کی کشش میں کسی قسم کا اضافہ نہیں ہوا۔ اس طرح سیارہ ج مقام کی طرف سفر کے دوران ت مقام پہ پہنچ جائے گا۔ اور ت مقام کی بلندی ب کی بلندی سے زیادہ ہے۔ اس طرح سیارہ کی رفتار کے ساتھ ساتھ اسکی بلندی بڑھنی شروع ہوجائے گی اور زمین کے گرد گردش کے دوران ہر دائرہ پہلے دائرے سے بڑا ہوتا چلا جائے گا اور سیارہ بلند سے بلند تر ہوتے ہوتے چاند کے حلقۂ کشش میں داخل ہو جائے گا۔ یاد رہے کہ زمین سے چاند کا فاصلہ دو لاکھ ۴۰ ہزار میل ہے اور دو لاکھ میل تک زمین کی کشش کا حلقہ ہے۔ اور اس سے آگے ۴۰ ہزار میل کا فاصلہ چاند کے حلقۂ کشش میں شمار ہوتا ہے۔

جب مصنوعی سیارہ چاند کے حلقۂ اثر میں داخل ہوتا ہے اس وقت سائنس والوں کے طے کئے ہوئے پروگرام اور سیٹ کی ہوئی مشینوں کے عمل سے مصنوعی سیارے کے اگلے سرے سے خاصی قوت کے ساتھ ایک گیس خارج ہوتی ہے اس گیس کے خروج کے ساتھ ہی ردّ عمل کے قانون کے مطابق سیارے کو پیچھے کی طرف دھکا لگتا ہے۔ جس سے اس کی رفتار کم ہو جاتی ہے۔ اور چاند کی قوتِ کشش قوتِ فرار پہ غالب آکر اسے اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

جب سیارہ چاند کے قریب پہنچ جاتا ہے تو وہ چاند پہ اس طرح گرتا ہے جس طرح زمین پہ بلندی سے پتھر گرتا ہے۔ اس نازک مرحلے پہ مصنوعی سیارے کی رفتار کی سمت تیزی سے گیس نکلتی ہے جو ردِ عمل کے قانون کے مطابق سیارے کو رفتار کی مخالف سمت دھکے لگانے شروع کر دیتی ہے۔ اور اس طرح سیارہ زور سے چاند پہ نہیں گرتا بلکہ آہستہ سے اترتا ہے۔ یاد رہے کہ چاند کی فضا میں ہوا یا کوئی دوسری گیس نہیں جو پیراشوٹ (ہوائی چھتری) کو سہارا دے سکے اس لئے چاند پہ اترتے وقت پیراشوٹ کام نہیں آتا۔

جس طرح مصنوعی سیارے کی رفتار کو تیز کر کے اور اسے زمین کی قوتِ کشش سے آزاد کر کے چاند تک پہنچایا جاتا ہے۔ اسی طرح رفتار تیز تر کر کے نظامِ شمسی کے دوسرے سیاروں، سورج، اور باہر کی دنیا کے ستاروں تک پہنچایا جاسکتا۔ البتہ فاصلوں کا بعد اور سفر کی طوالت ایسی چیزیں ہیں جو سرے سے دست قدرتِ انسانی سے باہر ہیں۔ نظامِ شمسی سے باہر قریب ترین ستارے کا زمین سے فاصلہ روشنی کے ساڑھے چار سال کے برابر ہے۔ یعنی زمین سے قریب ترین ستارے تک روشنی ساڑھے چار سال کی مدت میں پہنچتی ہے جبکہ روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ (ثانیہ) ہے۔ یہ فاصلہ (تقریباً ۲۷۰ کھرب میل) اتنا زیادہ ہے کہ ۱۸ ہزار یا ۲۵ ہزار میل

فی گھنٹہ کی رفتار سے سفر کرنے والا سیّارہ صدیوں تک طے نہیں کر سکتا۔

انسان بردار سیّارہ | بعض اوقات سائنس دان مصنوعی سیّارے میں انسان کو سوار کر دیتے ہیں۔ ایسے سیّارے کو انسان بردار سیارہ کہا جاتا ہے۔ انسان بردار سیّارے میں سب سے زیادہ حیرت انگیز بات اس انسان کی ہمّت اور جرأت ہوتی ہے۔ جو خلاء میں سفر کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتا ہے۔ مشینی اعتبار سے انسان بردار سیّارہ دوسرے سیّاروں کی نسبت سادہ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ دوسرے سیّاروں کو زمین سے کنٹرول کیا جاتا ہے اور اس میں متعدد مشینیں نصب کی جاتی ہیں جو معیّن اوقات پر خود بخود کام کرتی ہیں۔ لیکن انسان بردار سیارے میں اس قسم کے تکلفات کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اس میں انسان ہوتا ہے جو پوری طرح تربیت یافتہ ہوتا ہے اور سیّارے کو قابو میں رکھ سکتا ہے۔ نیز ریڈیائی لہروں کے ذریعے زمینی مرکز سے اس کا رابطہ قائم رہتا ہے اور بوقت ضرورت مرکز سے ہدایات حاصل کرتا اور معلومات بھیجتا رہتا ہے۔

مصنوعی سیّارہ ایک قسم کا صندوق ہوتا ہے جس میں خلا نورد مسافر اور اس کی زندگی کے لوازم موجود ہوتے ہیں۔ خلانورد کے پاس خاصی تعداد میں چھوٹے چھوٹے راکٹ ہوتے ہیں۔ جنہیں چلا کر سیّارے کی رفتار کم یا زیادہ کی جاتی ہے اور حسب منشاء سیّارے کا رُخ بدلا جا سکتا ہے۔

انسان بردار سیّارے کا مسافر زمین کے گرد چکر لگاتا ہے مختلف مقامات کی تصاویر لیتا اور انہیں ٹیلی ویژن کے ذریعے زمینی مرکز پر بھیجتا ہے اور خلا میں سورج کی شعاؤں اور دوسرے سیاروں اور ستاروں کے مقناطیسی اثرات کا کھوج لگاتا ہے۔

چاند پر جانے والا خلانورد زمین کے گرد مطلوبہ تعداد میں چکر لگانے کے بعد سیّارے کی پشت کی طرف راکٹ چلاتا ہے جس سے سیّارے کو ردِ عمل کے قانون کے مطابق آگے کی طرف دھکا لگتا ہے اور اس طرح اس کی رفتار تیز تر ہو جاتی ہے۔ اور سیّارہ زمین سے دور ہٹنا شروع کر دیتا ہے۔ تاآنکہ چاند کی کشش کے حلقے میں داخل ہو جاتا ہے۔ پھر خلا نورد سیّارے کی رفتار کی سمت راکٹ چلاتا ہے جس سے سیّارے کو پیچھے کی طرف دھکا لگتا ہے۔ اور اسکی رفتار کم ہو جاتی ہے اور چاند کی قوتِ کشش سیّارے کی قوتِ فرار پر غالب آ کر اسے کھینچ لیتی ہے۔

چاند سے واپسی | چاند سے زمین کی طرف واپسی اسی انداز اور طریقے سے ہوتی ہے،

جس انداز اور طریقے سے زمین سے چاند کی طرف روانگی ہوئی تھی۔ البتہ اتنا فرق ضرور ہوتا ہے کہ چاند سے واپسی کے وقت مرکب راکٹ استعمال نہیں کیا جاتا اور نہ ہی اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ چاند میں زمین کی نسبت کشش کی قوت کم ہے مزید برآں چاند پر ہوا یا کوئی دوسری ایسی گیس نہیں جو پرواز کی راہ میں مزاحم ہوتی ہو۔ ان حالات میں چاند سے واپسی کے وقت کم طاقت والا ایک ہی راکٹ کفایت کر جاتا ہے۔

چاند سے واپسی کے لئے پرواز کے بعد خلانورد کا مصنوعی سیارہ پہلے چاند کے گرد چکر لگاتا ہے۔ پھر اسکی رفتار تیز تر ہوکر چاند کی قوت کشش پر قوت فرار کو غالب کر دیتی ہے۔ اور سیارہ آہستہ آہستہ چاند سے دور ہٹنا شروع ہو جاتا ہے اور ۴۰ ہزار میل دور جاکر زمین کے حلقہ کشش میں داخل ہو جاتا ہے۔

زمین سے پرواز کے وقت ہوا راکٹ کی پرواز میں مزاحم ہوئی تھی لیکن واپسی کے وقت یہی ہوا راکٹ کو زمین پر گرنے سے بچاتی ہے۔ امریکی سائنسدانوں کے بنائے ہوئے بیشتر سیارے ہوائی چھتری کے ذریعہ سمندر میں اترتے ہیں اور روسی سائنس دانوں کے بنائے ہوئے سیارے رفتار کی مخالف سمت میں چلنے والے راکٹوں کی مدد سے خشکی پر پہلے سے طے شدہ مقام پر اترتے ہیں۔ گویا مصنوعی سیاروں کو خلا میں کنٹرول کرنے اور انہیں واپس زمین پر اتارنے کا روسی نظام امریکی نظام سے بدرجہا بہتر اور ترقی یافتہ ہے۔

خلا میں چہل قدمی | ۱۹۶۵ء میں روسی سائنسدانوں نے ایک ایسا حیرت انگیز کارنامہ سرانجام دیا جو امریکہ کے چاند پر انسان کے اتارنے کی نسبت زیادہ مشکل اور معجزنما تھا۔ روسیوں نے دو مصنوعی سیارے اڑائے دونوں میں آدمی سوار تھے جب یہ سیارے خلا میں سینکڑوں میل کی بلندی پر اڑتے ہوئے ایک دوسرے کے قریب آئے تو دونوں سیاروں میں سے خلانورد باہر نکل آئے اور خلا میں اس طرح تیرنے لگے جسطرح پانی میں مچھلی تیرتی ہے۔ دونوں خلانوردوں نے خاصی دیر تک خلا میں سیاروں سے باہر سفر کیا۔ ایک دوسرے سے ملاقات کی اور پھر واپس اپنے اپنے سیاروں میں چلے گئے۔

ان خلانوردوں نے ہی صحیح معنوں میں خلا پیمائی کا اعزاز حاصل کیا اس لئے کہ باقی خلانورد مصنوعی سیاروں میں بند ہو کر پرواز کرتے تھے۔ جس طرح آبدوز کشتی میں کوئی شخص سمندر کی گہرائیوں میں سفر کرتا ہے۔ لیکن مذکورہ بالا روسی خلانوردوں نے خلا میں اس طرح سفر کیا جس طرح غوطہ خور

سمندر کی سطح کے نیچے تیرتا ہے۔ اس واقعہ سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلانورد بلا کے جرأت آزما تھے، وہاں یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں سائنسدانوں کے علم پر پورا پورا بھروسہ اور اعتماد تھا۔

جب خلاباز سیاروں کے اندر تھے تو وہ سیاروں کی رفتار کے ساتھ ساتھ متحرک تھے انکی حیثیت سیاروں کے جزو بدن کی سی تھی۔ جب یہ سیاروں سے باہر نکلے تو ان کی حیثیت کاغذ کے اس پرزے کی سی تھی جسے تیز رفتار گاڑی سے باہر پھینک دیا جاتا ہے۔ کاغذ کا پرزہ تھوڑی دور تک گاڑی کے ساتھ ساتھ اڑتا چلا جاتا ہے۔ اور پھر ہوا کی مزاحمت اور زمین کی کشش کے باعث زمین پر گر پڑتا ہے لیکن یہ خلاباز جس بلندی پر تھے وہاں ہوا کی مزاحمت نہ تھی اور ان کی رفتار اٹھارہ ہزار میل فی گھنٹہ سے تیز تھی اس لئے زمین کی قوت کشش بھی انہیں سیاروں کے ساتھ ساتھ اڑنے سے روک نہ سکی، نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں خلاباز اپنے اپنے سیارے کے قریب خلا میں اسی رفتار سے اڑتے رہے جس رفتار سے سیارے اڑ رہے تھے۔

خلا میں چہل قدمی کرنے والے خلانوردوں کے پاس پستول کی طرز کی مشینیں تھیں، ان مشینوں کو چلاتے تو ان سے پستول کی گولی کی طرح گیس خارج ہوتی جس سے ردِ عمل کے قانون کے مطابق انہیں دھکا لگتا۔ جب خلاباز اپنے سیارے سے دور یا نزدیک ہونا چاہتا تو مخالف سمت میں مشینیں چلا کر ردِ عمل کی قوت پیدا کر لیتا اور قوت اسے مطلوبہ سمت میں دھکا لگا کر منزل کے قریب کر دیتی تھی۔ بس اسی پستول نما مشین کی مدد سے یہ دونوں اپنے اپنے سیارے سے نکل کر ایک دوسرے کے قریب آئے اور اسی کی مدد سے واپس اپنے اپنے سیارے کی طرف لوٹ گئے ۔۔۔۔۔

(خلائی سفر کے سائنسدان کون سے مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں، اگلی فرصت میں ملاحظہ فرمائیں) ■■

مصنفؒ :- میر سید علی ہمدانی "شاہ ہمدان" (۷۱۴-۷۸۶ھ)
مترجم :- ڈاکٹر محمد ریاض، استاد سنٹرل گورنمنٹ کالج اسلام آباد

# رسالہ قدوسیہ یا عقبات
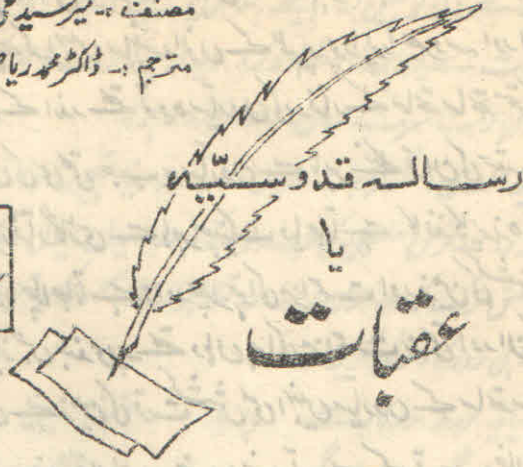
یہ وہ لوگ ہیں جو دوست و دشمن اور نفع و نقصان کو پہچاننے والے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے مخلوق کو اس طرح تخلیق نہیں فرمایا کہ وہ فطرتاً دنیا کو قربِ خداوندی پر ترجیح دیں۔ مگر یہ کہ حرص و ہوس ان پر غالب آجائے۔ ایسی حالت میں البتہ دوست (خدا) اور دشمن (ہوسِ دنیا) کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔ حریص و بخیل، دنیا کے عارضی مال و منال کا فریفتہ ہو کر حق و انصاف کی باتوں سے منہ موڑ لیتا ہے۔ ایسے شخص کے دل میں نورِ ایمان داخل ہی نہیں ہو سکتا۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے "بخیل پر اسکی زندگی میں ہی اللہ تعالیٰ کا غضب ٹوٹ پڑتا ہے" بعض روایات میں آیا ہے۔ کہ حضرت داؤدؑ کو وحی آئی تھی کہ: اے داؤد! لوگوں سے کہہ دو کہ جو کوئی خدا سے رشتۂ الفت استوار کرنا چاہے اسے چاہیئے کہ حرص و ہوس سے دل کو خالی کر دے، کیونکہ ایک دل میں دو الفتیں نہیں سما سکتیں ؎

آخر از خوابِ اجل بیدار شو — یک دم ای مستِ ہوا ہشیار شو
رہروان رفتند و تو در ماندۂ — حلقہ از سر زن کہ بر در ماندۂ
راہ زد مشغولئ عالم ترا — نیست پروای خدا یک دم ترا
گر ترا دین باید از دنیا مناز — ہر دو باہم راست ناید کج مباز

میرے عزیز! ایمان کی حقیقت، آفتابِ عالمتاب کی مثال سے جانو جو غیب مشرق سے طلوع ہوتا اور عقول و نفوس کے مطالع کو منوّر کرتا ہے اور آخر میں وہ بیابانِ محبت کے عاشقانِ سوختہ دل کی ارواح کو پُر مسرّت شفق کا رنگ دیتے ہوئے نظروں سے اوجھل ہو جاتا

ہے۔ "عزوب" کی اس لذت سے وہی مستفید ہوتے ہیں جنہیں "طلوع" کا احساس ہے۔ "ایمان" کے مہرِ جہانتاب کی بالواسطہ روشنی سے مالکانہ راہِ باری کے نفوس شبانہ روز مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔ "ایمان" کی حلاوت و عذوبت کو وہی پاتے ہیں جنہوں نے جوہرِ دل کو صیقل و منجلی کر دیا ہو۔ توحید کے درخت کے اس ثمر کی لذت و لُبّ پانا، عام قوائے ذائقہ و شامّہ کا کام نہیں۔ اس کی خاطر جہاد بالنفس کی ضرورت ہے۔ جس کے نتیجے میں حق کے مقابلے میں دنیا کے جملہ علائق و روابط، بے ارزش نظر آئیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: "کہئے اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں اور کنبے اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں، اور وہ تجارت جس کے مندا پڑ جانے کا تمہیں خطرہ ہے، اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو، یہ سب تمہیں اللہ، اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہوں، تو منتظر رہیں۔ یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم تمہارے سر پر لے آئے۔ اور اللہ فاسقوں کو راہِ ہدایت نہیں دکھاتا ہے۔ (التوبہ : ۲۴)

میرے عزیز خوب غور کرو کہ والدین، بھائی، بیوی، فرزند، رشتہ دار اور جملہ مال و منال راہِ حق کے مقابلے میں خس و خاشاک کا حکم رکھتے ہیں۔ راہِ حق میں مزاحم ہونے والے اعزہ کو ایسا کرنے سے باز رکھنا بھی بفحوائے "اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایسا جہاد کرو جیسا کہ حق ہے۔" ایک قسم کا جہاد ہے۔ رشتے اور قرابتوں کے گرداب میں پھنس کر کتنے صالح افراد کی کشتی ساحلِ نجات تک نہیں پہنچتی، تمہیں ہر حال میں از روئے انصاف اپنے اور غیر کو برابر جاننا چاہئے۔ تقاضائے ایمان یہی ہے۔ حضرت انسؓ بن مالک سے یہ حدیث قدسی مروی ہے کہ: "کسی شخص کا دعویٰ لا الٰہ الا اللہ اس وقت معنی خیز بنتا ہے جب وہ دین کے کاموں کے نقصان پر ایسا ہی مغموم ہو جیسا کہ دنیا کے کاموں پر ہوتا ہے۔" جب دین کی توجہ دوسری توجہات پر غالب آجائے، تب دعویٰ توحید دربارِ خداوندی کے مراتب صدق میں جگہ پاتا ہے۔

عزیزم! "ایمان" کے بارے میں جو کچھ میں نے بیان کیا، یہ طالبانِ حق کی عام روش کے مطابق تھا۔ خواص کا مرتبۂ ایمان، اس سے کہیں اعلیٰ و برتر ہے۔ ہم اس بات کی مزید وضاحت کریں گے تاکہ تم اپنے دعویٰ ایمان "کے صدق و صفا پہ غور کر سکو۔

تم جانتے ہو کہ فانی لذات کے طالب، اپنے مقاصد سب کامیابی کی خاطر مال و زر کے خرچ کی پرواہ کرتے ہیں اور نہ جان کھپانے کی۔ کیا طالبانِ حق کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ وہ راہِ حق بخل اختیار کریں اور تساہل برتیں۔۔؟ میرے عزیز! اپنے اعمال کا محاسبہ کرو کہیں تم بھی مال و دولت

کے زخارف سے دل تو نہیں لگا بیٹھے ۔ غافلوں جیسے اپنے انجام سے خدا کی پناہ مانگو اور زندگی کے مستعار لمحات سے پورا پورا استفادہ کرو ۔ ایسا نہ ہو کہ موت کا حملہ آور آ نکلے اور تم نے زادِ راہ تیار نہ کیا ہو ۔ اس وقت حسرت و حرمان سے فائدہ نہ ہوگا ۔

عزیز سلطان ! اگر قرابت داریاں اور رسومِ دنیا تمہیں راہِ عدل سے باز رکھ رہی ہوں تو ان بندشوں کو توڑ دو اور فرضِ منصبی کی طرف توجہ کرو ورنہ میدانِ ایمان کے شاہسواروں میں نام لکھوانے کی بیہودہ کوشش ترک کر دو ۔ حرص و ہوا اور تظاہرات کے غلام "ایمان" کے دربار میں بار نہیں پا سکتے خواہ وہ کتنے ہی زور کا دعویٰ کریں ؎

قصّۂ ایں درد نتوانی شنید تا نیاید درد در کارت پدید

رستگاری یابی از عالم ہمی دردِ او گر دامنت گیرد دمی

گفتگوی من ندارد ہیچ سود ورنگیرد دامنت این دردِ زود

عزیزم ! تو اپنے غلام اور ملازم کو حکم دیتا ہے کہ ایسا کرو اور ویسا نہ کرو ۔ تیری تہدید ہے کہ جو میرا حکم نہ مانے اس کی گردن اڑا دی جائے گی ۔ ہر غلام اور ملازم پر تیری طرف سے ایسے جاسوس مقرر ہیں جو کہ ان کے اعمال و حرکات پر کڑی نگرانی رکھتے اور تمہیں خبر پہنچاتے ہیں ۔ مجھے اس روش کے بارے میں اس وقت کچھ کہنے کی ضرورت نہیں مگر ذرا سوچو تو ! آیا احکامِ الٰہی کے نفاذ میں بھی تم ایسی ہی شدت برتتے اور "معزز لکھنے والوں ۔ کراماً کاتبین" کی موجودگی کا احساس رکھتے ہو ۔ ؟ منجملہ ، آیا ان احکام پر تیری قلمرو میں عمل ہوتا ہے ۔ ؟

" نماز قائم کرو ، زکوٰۃ ادا کرو اور جو مال ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو " ۔ " تم مسلمانوں میں ایک ایسا گروہ ضرور موجود ہو جو نیکی کی طرف دعوت دے ، ایسا گروہ جو نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے " ۔ " اموال کو ناجائز طریقے سے اپنے درمیان خرچ نہ کرو " ۔ " سود نہ کھاؤ " ۔ " یتیم کے مال کے قریب مت جاؤ " ۔ اور " تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت نہ کرے " ۔ ہم نے چند احکامِ قرآنی کو بطورِ مثال نقل کیا ہے ۔ کیا ان امور کی تنفیذ کی خاطر تم ایسے ہی کوشاں ہو جیسا کہ اپنے احکام پر عمل کروانے کے لئے ۔ ؟ اگر تم اپنے احکام کے مقابلے میں تہدیدِ خداوندی موجود ہے کہ : " کئی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لے آئے حالانکہ وہ مؤمن نہیں ہیں ۔ الخ (البقرہ : آیۃ : ۸)

میرے عزیز ! اگر تم مریض ہو تو ملک کے کسی یہودی ، عیسائی یا دیگر مذہب والے

طبیب حاذق کے مشورہ پر فوراً عمل کروگے کہ صحت و سلامتی بحال ہو جائے۔ اس کی زیرِ ہدایت فاقہ کشی اور سخت قسم کی پرہیزوں پر پابند رہو گے۔ مگر افسوس کہ خاتم الانبیاء کے ذریعہ خدائے تعالیٰ نے ازلی و ابدی مزمن روحانی امراض کا جو نسخۂ شفاء قرآن مجید کی صورت میں بھیجا ہے، اس کے اوامر و نواہی کی پابندی میں تم تساہل برتتے ہو۔ یہ نفس پروری اور شیطنت کی راہ ہے جو کہ کسی مدعیِ ایمان کو زیب نہیں دیتی۔ ارشاد باری ہے: "اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جسے آیاتِ ربانی کے ذریعے یاد دہانی کروائے جانے کے باوجود ان سے منہ موڑلے۔؟

عزیز سلطان! اخلاقِ ذمیمہ کے ذریعے انسان قعر مذلت میں گر جاتا اور نیک و بد کی تمیز نہیں کرسکتا ہے۔ فضائل و رذائل اخلاق کی بحث بڑی مطول ہے۔ یہاں میں ان چار رذائل کی طرف اشارہ کروں گا جن کی وجہ سے حکام و امراء بداعمالی کی راہ پر چلتے اور "خسر الدنیا والآخرۃ" کا مصداق بنتے ہیں۔ یہ رذائل بخلؔ، کبرؔ، ظلمؔ اور ریاؔ ہیں۔ جنہیں نیکی کی مزاحم قوتیں بننے کی مناسبت سے ہم "عقبات" (مشکل گھاٹیاں) کہیں گے۔ تم اپنے فرائض امارت سے عہدہ برآ ہونے کی خاطر ان "عقبات" سے سنبھل کر گزرو۔

بخل و حرص کا عقبۂ اول، حبِ دنیا کا تودہ و انبار ہے۔ دنیا کو محبوب و مرغوب جان کر بخیل و حریص بلطائف الحیل اس کے درپے ہوتا ہے۔ دنیا دار اور بندۂ دنیا بننے میں فرق ہے۔ مذمتِ دنیا کے بارے میں یہ روایت مشہور ہے کہ اگر دنیا کا مال و منال، عزّ و اکرام کا موجب ہوتا۔ تو کافروں اور منکروں کو اس سے محروم رکھا جاتا۔ حضرت سلیمانؓ بن یاسر فرماتے ہیں: "میں بعض اصحاب کیساتھ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں تھا۔ راستے میں ایک میّت دیکھی گئی۔ آپؐ نے فرمایا: کیا کوئی ہے جو اسے پھینکوا دینے کا مخالف ہو اور اس کے ایسے ہی پڑے رہنے کا حامی ہو۔؟ ہم نے نفی میں جواب عرض کیا۔ آپؐ نے فرمایا: دنیا خدا کی نظر میں اس سے بھی احقر ہے۔ خدا چاہتا ہے کہ لوگ اس کے قرب کے جویا ہوں اور دنیا سے متنفر رہیں مگر بداعمالی کی بنا پر بعض لوگ اپنی سرشت خراب کر لیتے ہیں۔" اس قولِ قدسی سے دنیا کی پستی واضح ہے۔

یہ ایک مردار ہے جس کی گندگیوں میں گھرے رہنا مومن شاہباز کے شایانِ شان نہیں۔ تم مال و دولت کے اتنے حریص نہ بنو کہ خزانوں کو پُر دیکھنے کی تمنا میں ہی رہو۔ اس متاع کو مخلوق کے رفاہ و آسائش پر خرچ کرتے رہو اور خود بقدر کفاف پر قانع بنو۔

عقبہ دوم ۔ "کبر و نخوت" —— اس احساس سے پیدا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے آپ کو

بے نیاز اور دوسروں کو نیاز مند اور محتاج جانے۔ اس عقبے سے نجات پانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ہر بڑے سے بڑا آدمی اپنے آغاز و انجام پر غور کرے۔ آدمی کا آغاز، مادۂ علق ہے جسے دیکھنے سے کراہیت آتی ہے۔ اس کا انجام موت اور نعش کی صورت میں نمودار ہوتا ہے کہ اگر ایک ہفتے کے بعد اس کے مدفن کو کھودا جائے، تو عام حالت میں بدبو ناقابلِ تحمل حد تک ہوگی۔ صحت کی حالت میں بھی آدمی ایسی نجاستوں میں گھرا ہوا ہے کہ اگر روزمرہ کی صفائی کو معمول نہ بنایا جائے تو زندگی اجیرن اور عفونت کا گڑھ بن جائے۔ انسان کی کمزوری کا یہ عالم ہے کہ مکھی اور مچھر جیسی بے مقدار مخلوق اسے ایذا پہنچا دیتی ہے۔ ایک ناخن کی تکلیف اور معمولی سی بیماری انسان کا سکون لے جاتی ہے۔ اس بے بسی اور ضعف کے باوصف انسان کو چاہئے کہ خجل و شرمندہ ہو، نہ یہ کہ اکڑ خوانی کرے اور اپنے بنی نوع پر برتری و فضیلت کا سکہ جمائے ؎

چوں تو حمالِ نجاست آمدی — از چہ در صدرِ ریاست آمدی
آں سگ دوزخ کہ تو بشنودۂ — در تو خفتہ است و تو خوش آسودۂ
باش تا فردا سگ کبر و منیت — سر ز دوزخ بر زند از دشمنیت
نیک بیں کز تشنگی مردن ترا — بہتر است از نام خود بردن ترا
گر شوی چوں خاک در رہ پائمال — تا ابد جاں را بدست آری کمال

عقبۂ سوم "ظلم" ہے۔ ظلم تاریکی کو کہتے ہیں۔ اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارے یا دارو ئے بیہوشی پی کر کوئی اور مخبوط الحواسی کا کام کر بیٹھے اور اسے اپنے لئے سودمند جاننے لگے۔ جس طرح مخبوط الحواس شخص کو اپنی حرکاتِ زشت کا بعد میں احساس ہوتا ہے۔ یہی حال "ظالم" کا ہے۔ ظالم و جابر کو نہیں بھولنا چاہئے کہ جہانِ مکافات میں "گندم ازگندم بروید جَو ز جَو" کا قانون کارفرما ہے اور ممکن نہیں کہ کوئی اپنے کیفرِ کردار سے مصئون رہ سکے۔ میرے عزیز! حاکم، عادل ہو نہ کہ ظالم۔ نشۂ قوت سے سرشار ہو کر ظلم و تشدد کو شیوۂ کار بنانے والوں کو "تیرے پروردگار کی گرفت مضبوط ہے" کی وعید کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے۔ روزِ محاسبہ ایسے شخص سے کہا جائے گا: "تو اس انجام سے غافل تھا، اب ہم نے پردہ اٹھا دیا اور تیری نظر آج تیز ہے۔" ظالم الحاح و زاری کرتے بولیں گے: "پروردگارا ہمارے حال کو دیکھ اور ہماری سن لے تاکہ ہم دوبارہ لوٹا دئے جائیں۔ (اور دوسری بار) ہم ایمان و عمل کو شعار بنائیں گے۔" خدا کے مؤکل جواب دیں گے: "کیا ہم نے تمہیں عمر نہیں دی جس میں تجھے یاد دہانی بھی کی جاتی رہی ہے۔

تمہارے پاس تو ڈرانے والے بھی آئے تھے۔ اب چکھو یہ عذاب، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔" پھر کہا جائے گا: "ہر کوئی اپنے کمائے ہوئے کا رہین ہے۔ تمہیں بھی وہی ملے گا جس کو تم کماتے رہے ہو اور ظالموں کو معلوم ہو جائے گا کہ پلٹنے والے کہاں سے پلٹتے ہیں۔"

میرے عزیز! ظالموں کا یہ انجام ہے، جو قرآنِ مجید میں مذکور ہوا ہے۔ ایسے فرجام بد سے خدا کی پناہ مانگو ؎

خانۂ خلقی کنی زیر و زبر　　تا بماند ازہی سر افساری بدر
خون بریزی خلق را در صد مقام　　تا خوری یک لقمۂ نان آنکہ حرام
خوشہ چین کوی درویشان توئی　　در گدا طبعی، بتر زشان توئی
چند خواہی بود نہ پختہ نہ خام　　نہ بد و نیک و نہ خاص و نہ عام
پادشاہی ذوق معنی بردن است　　نہ بزور و ظلم دنیا خوردن است

میرے عزیز! اپنے تمکنت و فخر فروشی، برتری و فضیلت کے دعووں اور ظلم و تعدی سے پورے طور پر محترز رہو۔

عقبۂ چہارم "ریا و تظاہر" کو شرکِ خفی بتایا گیا اور نبی اکرمؐ نے اس سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ غفلت شعار لوگ اپنے اعمال کی تشہیر کرتے اور خود ستائی سے خوش ہوتے ہیں۔ انبیاءؑ اور اولیاء اللہ نے اس روش سے بچنے کی خدا کی پناہ مانگی ہے۔ اپنی نیکیوں کا ضیاع کوئی عقلمندی نہیں مگر اس کی کیفیت یوم تبلی السرائر (الطارق) ظاہر ہو گی۔ اس دن غافل دیکھ لیں گے کہ ان کی نام نہاد اور ریا آمیز نیکیاں، برائیوں کے پلڑے میں رکھی ہوئی ہیں۔ اس وقت کفِ افسوس ملنے سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ میرے عزیز! خدا نے جس تقویٰ کو معیارِ فضیلت قرار دیا ہے اس میں ریا و تظاہر کی آمیزش نہیں ہونا چاہئے۔ مجھے افسوس ہے کہ تم تظاہرات و زخارف کے دلدادہ نظر آتے ہو۔ عمدہ لباس، نفیس گھوڑے، زرق برق لباس میں ملبوس غلام، فاسق و فاجر حکام و امراء کی موجودگی اور ان کی تعریف کو تم بڑی اہمیت دیتے ہو۔ دنیوی مصالح کے پیشِ نظر تم احکامِ الٰہی کے نفاذ میں سستی کر رہے ہو۔ اس کے باوجود تم جبّہ و عمامہ کے ذریعے نیکیوں میں شمار کئے جانے پر مُصر ہو۔ واحسرتا، تمہارے ظاہر و باطن میں کتنی تفاوت موجود ہے ؎

شاخِ امل بزن کہ چراغیست زود میر　　بیخ ہوس بکن کہ درختیست کم بقا
از کوی رہروان طبیعت ببر قدم　　وز خوی رہبران طریقت صفا

میرے عزیز! یہ چہارگانہ "عقبات" دین و ایمان کے سانپ اور زہر ہلاہل ہیں۔ ان سانپوں کے ڈسے ہوئے ابدالآباد تک صحتِ ایمانی سے بہرہ مند نہیں ہو سکتے۔ خدا تعالیٰ سے اصلاحِ احوال کی استمداد کرو۔ انہ قریب مجیب[1]۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ[2]۔"

[1] ھود: ۶۱　[2] طٰہٰ: ۴۷

قارئین کے خطوط　　　　　　　　　　　　　　　　　　ایڈیٹر کے نام

# افکار و تاثرات

**مؤتمر عالم اسلامی** | آپ نے مئی کے تعارف کتب کے تحت میرے کتابچہ AFRICA: THE MUSLIM CONTINENT پر تبصرہ کرتے ہوئے مؤتمر عالم اسلامی کو مسلمانوں کے صحیح اعداد و شمار مہیا کرنے کیطرف توجہ دلائی ہے جس کا شکریہ۔ مولانا یہ کام ہم نے ۱۹۵۲ء میں شروع کیا اور ۱۹۶۲ء میں اجلاس کے مؤتمر بغداد میں ایک مختصر سا کتابچہ اس سلسلہ میں شائع کیا۔ اور پھر ۱۹۶۴ء میں مکمل کتاب WORD MUSLIM GAZETTEER جو ارسال خدمت ہے، تقویم البلدان العالم الاسلامی کے نام سے اس کا عربی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس طرح ترکی ملائی زبانوں میں بھی اس سال میں ہم نے ایک اور نایاب چیز شائع کی تاکہ مسلمانوں پر طاری قنوطیت کچھ زائل ہو سکے۔ پھر حال ہی میں وزرائے خارجہ کی کانفرنس دسمبر ۱۹۷۱ء میں شرکار جلسہ کے متعلق ہم نے تازہ ترین اعداد و شمار خود شرکائے کانفرنس کو پیش کئے، اخبارات میں بھی شائع کروائے اس وقت دنیا میں چالیس آزاد ممالک ہیں، مسلم ممالک سے مراد وہ ملک جس کی آبادی کم از کم پچاس فیصد مسلمانوں پر مشتمل ہو۔

(آپکا بھائی انعام اللہ خان جنرل سیکرٹری مؤتمر عالم اسلامی)

**محتاط تعبیر** | ماہ اپریل میں مضمون "قرآن کریم اور عالم فطرت" کے عنوان سے وحید الدین خان صاحب کے مضمون میں صـ۳۵ پر لفظ "ذہن" کا استعمال علم الٰہی کیلئے درست نہیں اور ایسی تعبیرات و اطلاقات کا ایک مخصوص اور محتاط انداز ہے۔ صـ۳۹ میں عبارت "مگر جدید معلومات نے ان الفاظ کو زیادہ بامعنی بنا دیا ہے" کھٹکتی ہے، ممکن ہے ایسے الفاظ کی توجیہ و تاویل ہو سکتی ہو مگر الفاظ کا متن سوء تعبیر سے خالی نہیں۔ ویسے خان صاحب کے مضامین نہایت مفید اور راہ حق میں قدیم و جدید امتزاج کی ایک کامیاب کوشش ہے۔

(مولانا لطافت الرحمان استاذ جامعہ اسلامیہ بہاولپور)

**دعوت فکر** | محترم! بنگال کی حالت علمائے امت کو دعوت فکر دے رہی ہے، رجل رشید کو پکار رہی ہے۔ اس صدی کے علماء کے امتحان کا وقت ہے۔ اور ہماری طرف سے دعوت فکر۔

(اسسٹنٹ سیکرٹری مشرقی پاکستان ثقافتی ایسوسی ایشن)

**سوانحی مواد** | شیخ المشائخ مولانا مولوی عبدالمالک صدیقی خانیوال مدظلہ کے زیر ترتیب سوانح "تجلیات صدیقی" کے لئے تمام احباب سے سوانحی مواد درکار ہے۔

(مدرار اللہ مدرار۔ مردان)

# تبرّکات ونوادر

از مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانوی مرحوم

حضرت مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانوی مشاہیر علماء اور جنگ آزادی میں نمایاں حصہ لینے والے علماء حق میں سے تھے اکابر علماء کے ساتھ ہمیشہ تعلق رہا، ردّ قادیانیت کے سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ کے ساتھ بھی کام کیا لدھیانہ کے معروف خاندان کے رکن رکین تھے پرجوش خطابت کا ملکہ خدا نے دیا تھا۔ افسوس کہ پچھلے دنوں شوال کے مہینہ میں لائل پور میں ان کا انتقال ہوا۔ ادارہ الحق مرحوم کے رفع درجات کا متمنی ہے اور تمام قارئین سے دعائے مغفرت کی اپیل کرتا ہے۔

( ادارہ )

مکرمی بندہ دام ظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ ! اخلاص نامہ موصول ہوکر انتہائی مسرت کا باعث بنا۔ جن جذبات اور احساسات کا آپ نے اظہار فرمایا ہے۔ اس کا تہ دل سے ممنون ہوں۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ ہم پسماندگان کو حضرت مدنی مدظلہٗ العالی کے نقش قدم پر چلنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے، ورنہ ہم تو درحقیقت اتنے پسماندہ ہیں کہ حضرت مدنی مدظلہٗ کی طرف ہمیں نسبت کرنے کا بھی کوئی حق نہیں ہے۔ جو کہ وہ ہندوستان میں اکیلے کروڑوں مسلمانوں کی حفاظت اور دینی خدمت انجام فرما رہے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بیش از بیش خدمت اسلام انجام دینے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین

جہاں تک میرا معاملہ ہے، اس کے متعلق میں آپ حضرات کی مشکلات سے اور جلسوں کی مشکلات سے واقف ہوں، کیونکہ جن لوگوں کے مسلک سے پورا اتفاق رائے نہ ہو۔ ان سے کام لینے میں انہیں کے مسلک کا احترام کرنا پڑتا ہے۔

صوبہ سرحد میں انتخابات ہونے والے ہیں۔ تمام علماء کرام کو ایسا طریق کار اختیار کرنا چاہیئے جس سے کچھ نہ کچھ علماء کرام بھی انتخابات میں کامیاب ہوسکیں۔ اور صوبہ کے اختلافات

کو کم کرنے کی کوشش میں حصہ لے سکیں۔ اور اہلِ اسلام کو سربلند کر سکیں۔ اس سلسلہ میں اگر علماء کرام کوئی پروگرام بنا کر کسی متفقہ فیصلہ کے مطابق وزیر اعظم صاحب سے ملاقات کریں۔ اور اس سلسلہ میں میری بھی ضرورت ہو، تو اس اختلاف کو ختم کرنے کیلئے میں حاضر ہونے کیلئے تیار ہوں۔

میری رائے میں نظامِ اسلام کے نفاذ پر جہاں تک صوبہ کے اختیارات کا تعلق ہے۔ تمام علماء کرام کو متفقہ طریق پر وزیر اعظم صاحب سے فیصلہ کر کے تمام مسلمانانِ سرحد کو ایک مرکز پر لانے کی کوشش کرنی چاہئے، اگر علماء کی جماعت اس میں اقدام کرے گی تو مجھے کامل امید ہے کہ وہ کامیاب ہوگی۔ اور یہ اسلام اور پاکستان کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔ اور علماء کرام کے وقار سے اسلام کا وقار بھی بڑھ جائے گا۔ مجھے امید ہے، آپ مفصل حالات سے ضرور مجھے مطلع فرمائیں گے۔ فقط والسلام۔ (از ٹوبہ ٹیک سنگھ ۲ر شوال ۱۳۷۰ھ مطابق ۷ر جولائی ۱۹۵۱ء)

---

مخدومنا المکرم دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ دعوت نامہ موصول ہو کر انتہائی مسرت کا باعث ہوا۔ اس کے متعلق گزارش یہ ہے کہ میرے جیسا بیکار آدمی آپ کا کام بہت کم کرتا ہے، لیکن آپ کے مصارف زیادہ ہو جاتے ہیں۔ ایسے حالات میں آتے ہوئے بھی شرم محسوس ہوتی ہے۔ محض تعمیلِ ارشاد کی وجہ سے مجبوراً حاضر ہونا پڑتا ہے۔

اگر اپنے حالات کے مطابق آپ کوئی دقت محسوس فرما دیں تو ہمیں قطعاً کوئی شکایت نہ ہوگی ورنہ اگر حاضری ضروری ہی ہوگی تو حاضر ہو جاؤں گا۔ جملہ حضرات کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔ مسئلہ ختم نبوت کا معاملہ شروع ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ انجام اچھا فرمائے۔ دیکھیں اس وقت حالات کس کروٹ بیٹھتے ہیں۔ دعا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کامیاب فرمائے۔ فقط والسلام واقفین حضرات کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔ (از منڈی بہاؤالدین 25-2-53)

---

مکرم بندہ دام لطفکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ گرامی نامہ متعلق شرکت سالانہ جلسہ موصول ہوا۔ انتہائی مسرت کا باعث ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دلی مراد عمارت مدرسہ کو ایک حد تک مکمل فرما دیا۔ ایک سے زیادہ مرتبہ جلسہ کی شرکت سے یہ محسوس کیا ہے کہ آپ کے علاقہ کی زبان نہ جاننے کی وجہ

سے خاطر خواہ کوئی خدمت تو انجام نہیں دے سکا۔ لیکن محض آپ کی بزرگانہ شفقت اور مسلک کی وحدت حاضری کے لئے مجبور کر دیتی ہے۔ اگر غیر حاضری میں کوئی نقصان نہ ہو۔ تو کسی اور بہتر آدمی کو دعوت دینا زیادہ مناسب ہوگا۔ ورنہ تعمیلِ ارشاد کے لئے مجبور ہونگا واقفین حضرات کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے ------ والوں کے دو دعوت نامے آ چکے ہیں۔ میں نے انکار بھی کر دیا ہے، لیکن آپ کا معاملہ ان سے مختلف ہے اس لئے آپ ہی کے فیصلہ پر موقوف ہے۔ فقط والسلام۔ (ازمنڈی بہاؤالدین 57-2-2)

---

مخدومنا المکرم دام لطفکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ امید ہے بفضل ایزدی آپ ہر طرح سے خیریت سے ہوں گے۔ آج دوسرا دعوت نامہ ملا۔ "معزز مہمان کے استقبال" کی خاطر آپ کے اخلاص کی وجہ سے اب ارادہ حاضر ہونے کا کر ہی لیا ہے، ورنہ اپنے خیال کے مطابق اب تک میں نے اپنی شرکت سے مدرسہ کا نفع کی بجائے نقصان ہی کیا ہے۔ آپ قدیمانہ تعلقات کی وجہ سے ہمیشہ یاد فرماتے ہیں۔ تعمیل ارشاد کے لئے حاضر ہو جاتا ہوں یہ سمجھ کر کہ آپ کی نظر میں کوئی فائدہ بھی ہے، جو یاد فرماتے ہیں ـــــ خدا کا شکر ہے کہ آپ کو اس خالص دینی خدمت کے حکام[1] بالا نے اجازت مرحمت فرما دی ہے کہ یہ ان کے عادل دین پسند ہونے کا نتیجہ ہے ورنہ آپ کا مدرسہ تو ہمیشہ سیاسیات سے الگ ہی رہا ہے۔ جملہ واقفین حضرات کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔ میں انشاء اللہ آپ کی ہدایت کے مطابق ۲۰ اکتوبر کی رات کو چناب ایکسپریس سے سوار ہو کر ۹ بجے کے قریب اکوڑہ پہنچوں گا ـــ مولانا قاری[2] طیب صاحب کی گاڑی اور تاریخ سے مطلع فرمائیں، تاکہ سفر میں ان کی صحبت ہو جائے۔ فقط والسلام (منڈی بہاؤالدین 58-10-14)

---

مکرم بندہ دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مرسلہ خطوط مل گئے، انشاء اللہ قاری صاحب موصوف کی صحبت ہی میں حاضر ہوں گا۔ اس سے قبل مولانا عبدالحنان صاحب[3] نے مجھے اس گاڑی کی اطلاع

---

[1] ایوبی دور کا مارشل لاء ابھی تازہ تازہ نافذ ہوا تھا اور ہر قسم کی تقریبات پر پابندی کے دوران جلسۂ دستار بندی کی اجازت ملی تھی۔ [2] حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند جو اسی اجتماع میں شمولیت کیلئے تشریف لا رہے تھے۔

[3] حضرت مولانا عبدالحنان ہزارویؒ جمعیۃ العلماء ہند کے مرکزی دفتر کے ناظم اعلیٰ، شعلہ بیان خطیب، سیاسی و ملی رہنما آخر تک دارالعلوم حقانیہ کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین رہے ـــ بالاکوٹ میں وفات پائی ـــ س۔

کر دی تھی۔ آج آپ کو اطلاع دینے کا ارادہ تھا کہ اچانک آپ کا گرامی نامہ مل گیا۔ جس سے جناب ایکسپریس کا ارادہ ترک کر دیا۔ واقفین حضرات کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔ فقط والسلام

(از منڈی بہاؤالدین۔ 18-10-58)

---

مخدومنا المکرم دام ظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ شفقت نامہ ملا۔ خیریت معلوم کر کے اطمینان ہوا۔ ٹوپیاں مل گئی ہیں۔ آپ کی اس نوازش کا بے حد ممنون ہوں۔ اور اس تکلیف سے شرمندہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو قائم و دائم رکھے۔ آمین۔

آج اخبارات میں عربی مدارس کے وفاق[1] کے متعلق نظام العلماء کا فیصلہ نظر سے گزرا۔ مسرت ہوئی۔ مولانا خیر محمد صاحب کی طرف سے بھی ایک دعوت نامہ موصول ہوا تھا۔ لیکن میں نے یہ لکھ کر جواب دے دیا۔ کہ ۲۳ کو نظام الاسلام نے لاہور میں ایک میٹنگ اس مقصد کے لئے طلب کی ہے۔ اور ۲۴-۲۵ کو آپ نے ملتان میں طلب فرمائی ہے۔ اور اس کی ورکنگ کمیٹی میں مولانا احمد علی صاحب کا نام نامی موجود ہے تو کیا مولانا احمد علی صاحب نے شرکت کا اعلان فرمالیا ہے لیکن اس کا کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ اب اخبارات میں آپ کی کارروائی پڑھ کر مسرت تو اس لئے ہوئی کہ اتفاق ہو گیا۔ لیکن تکلیف اس لئے ہوئی۔ کہ نزاع صرف کا ہے۔ اگر یہ مل جائے تو تمام نظام اس کے ماتحت آسکتا ہے۔ میرے خیال میں وفاق العلماء کی ورکنگ کمیٹی کا اصول یہ ہونا چاہیئے کہ مغربی پاکستان میں جتنے اونچے درجہ کے مدارس ہیں ان کے مہتممین کی ورکنگ کمیٹی بنائی جائے۔ خواہ اس کا صدر دفترِ ملتان میں رہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ نیچے درجہ کے تمام مدارس خود بخود منسلک ہو جائیں گے اور وفاق کے تمام اغراض حاصل ہو جائیں گے۔ اگر آپ کا اس سے اتفاق ہو تو کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ مل کر اس کے لئے کوشش کی جائے۔ صاحبزادہ صاحب اور دیگر واقفین حضرات کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔ فقط والسلام

(منڈی بہاؤالدین۔ 59-7-1)

---

مخدومنا المکرم دام لطفہ،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ دعوت نامہ اور منی آرڈر مل گیا ہے۔ محض آپ کے اخلاص اور محبت

---

[1] اس میٹنگ میں مدارس عربیہ کی باہمی تنظیم "وفاق المدارس العربیہ" کے قیام کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ — س —

کی وجہ سے حاضر ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ انشاء اللہ جناب ایکسپریس سے حاضر ہوں گا۔ جملہ حضرات اور احباب کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔ فقط والسلام

(منڈی بہاؤ الدین۔ 60-4-7)

---

مخدومنا المکرم دام ظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ امید ہے مزاجِ گرامی بعافیت ہوگا۔ دعوت نامہ موصول ہو کر مسرت کا باعث ہوا۔ اس یاد آوری کا تہ دل سے مشکور ہوں۔

حقیقتِ حال یہ ہے کہ اوّل تو جسمانی کمزوری اب سفر کی اجازت نہیں دیتی، ایک عرصہ سے اس قسم کی مجالس کی شرکت ترک کر چکا ہوں۔ دوسرے انہی تاریخوں میں سرگودھا مدینۃ العلوم کا جلسہ ہے۔ قرب کی وجہ سے ان سے وعدہ بھی کر لیا ہے، ان حالات میں حاضری کا امکان بہت کم ہے دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے دینی جذبات کو قبول فرمائے۔ اور زیادہ سے زیادہ اخلاص کی توفیق دے۔ جو کامیابی کا واحد ذریعہ ہے۔ قنوت نازلہ روانہ کر دی ہے اسکی زیادہ سے زیادہ اشاعت فرماویں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ملک وملت کی امداد کا یہ ایک ایسا ذریعہ ہے جس میں ہر معذور بھی شریک ہو سکتا ہے۔ یہ دعائیں مفتی اعظم دیوبند مرحوم کی مرتب کردہ ہیں۔ صاحبزادہ و دیگر واقفین حضرات کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے، فقط والسلام۔ انشاء اللہ رسالہ کیلئے ایک مضمون بھی روانہ کر دوں گا۔ (65-9-16)

---

مکرم ومحترم بندہ دام لطفہ،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مدت مدید اور عرصہ دراز کے بعد آپکی خیریت معلوم کر کے اطمینان ہوا، دعوت کا شکریہ۔ گو میں نے ایک عرصہ سے میں نے جلسوں کی شرکت ترک کر دی ہے کیونکہ صحت اب اسکی اجازت نہیں دیتی ___ چونکہ آپ کا تعلق اکابرین دیوبند سے ہے۔ اور اب تو آپ خود بھی ہمارے اکابرین میں شمار ہوتے ہیں۔ انشاء اللہ اگر کوئی خاص مانع نہ پیش آیا تو ضرور حاضر ہوں گا۔ بشرط صحت وحیات مستعار، جملہ واقفین، متعلقین دارالعلوم کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے فقط والسلام۔ (لائل پور - ۵ ر جمادی الثانی ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۰ ر ستمبر ۱۹۶۷ء)

---